أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ (المعجم الکبیر)

شیخ التجوید والقراءات

حضرت قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری مدت فیوضہم

(صدر القراء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

تأثرات

راقم السطور کو اپنے بڑوں کی سوانح عمریوں کے مطالعہ کا ذوق رہا ہے؛ اس لیے بلا تأمل کہہ سکتا ہے کہ: اس مقالے نے حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کی ظاہری خدمات اور باطنی کمالات کے کچھ نمونے پیش کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، اور بعض تاریک گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جو عام تلامذہ اور متعلقین عقیدت مندوں کی عقابی نگاہ سے باہر رہے ہیں۔

(حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ)

زیرِ نظر رسالہ افقِ جامعہ پر جگمگاتے جواہر پاروں میں سے ایک حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت پر تیار کیا گیا ہے۔ مؤلفِ رسالہ مفتی معاذ صاحب بمبوی زید مجدہٗ نے اس رسالہ میں حضرت قاری صاحب کے اوصاف وکمالات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی شخصیت پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ موصوف اسی جامعہ کے ہونہار فاضل ہیں اور یہیں استاذ بھی! ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے زبان وقلم کا اچھا ذوق بخشا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور ہمیں ان بڑوں کے اخلاق کا امین بنادے۔ آمین

(حضرت مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب ملکی مدظلہ)

ضرورت تھی کہ استاذِ محترم مدظلہ العالی کے متنوع محاسن ومحامد، اوصاف وکمالات اور نوع بہ نوع علمی وفنی اور تالیفی وتصنیفی نمایاں خدمات کی جھلک تحریری صورت میں دکھائی جاتی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر مرحمت فرمائے عزیز القدر جناب مولوی مفتی معاذ صاحب زید فیضہ کو، کہ انھوں نے "زندہ فراموشی ومردہ پرستی" کی "رسمِ پارینہ" سے بغاوت کرتے ہوئے حضرت الاستاذ کی حیاتِ طیبہ ہی میں، آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور تعلیم وتدریس کی پُر پیچ وادیوں میں آپ کے تابندہ نقوش اور پائندہ کارناموں کو مختصر عبارت، جامع الفاظ، دل چسپ پیرایہ اور سبق آموز انداز میں زبان وادب کی حلاوت سے معمور کرکے کتابی صورت میں پیش کرنے کی مبارک سعی کی ہے۔

(حضرت قاری محمد رضوان صاحب پالنپوری مدظلہ)

أَشْرَافُ أُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ (المعجم الکبیر)

شیخ التجوید والقراءات

حضرت قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری مدت فیوضہم

(صدر القراء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

کاوش

مفتی معاذ عبدالرزاق چارولیہ

خادم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

ناشر

لجنۃ القراء

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام: شیخ التجوید والقراءت حضرت قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ

کاوش:..............................مفتی معاذ عبدالرزاق چارولیہ

صفحات:.. ۱۱۴

ناشر:....................لجنۃ القراء، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

فہرست

تقریظ

استاذِ محترم حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی دامت برکاتہم

(معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلي علىٰ رسوله الكريم

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (م: ۱۲۹۷ھ) نے ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، اس کے چند ہی سال کے بعد شہر مرادآباد میں ۱۲۹۶ھ میں ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' نامی گلشنِ علم لگایا۔

حضرت قاسم العلوم کے پہلے گلشن سے ۱۳۴۶ھ میں ایک پھول کھِل کر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری (م: ۱۳۵۲ھ) کی صورت میں اپنے قافلے کے ساتھ گجرات کے ایک چھوٹے سے دیہات (ڈابھیل) میں وارد ہوکر اس کے لیل ونہار بدل دیتا ہے، جس کی مہک سے دنیائے اسلام علوم الحدیث سے معطر ہوتی ہے۔

حضرت قاسم العلوم کے دوسرے گلشن سے ۱۳۹۴ھ میں دوسرا پھول اپنی شان وشوکت کے ساتھ یہاں جلوہ گر ہوکر اُس کی شادابی میں اضافہ کرتا ہے، جس کے ترنم سے باغ کی کلیاں جھومنے لگتی ہے، اور علم القرآن والتجوید اور پھر قراءاتِ سبعہ وعشرہ کی باقاعدہ آبیاری کرتا ہے؛ میری مراد حضرت الاستاذ قاری

احمد اللہ صاحب -أطال اللّٰہ ظلالَ بر کاتھم علینا وعلیٰ سائر الناس- **کی ذاتِ بابرکت ہے۔**

زیرِ نظر مقالہ موصوف کی سوانحِ حیات یا ان کے مکمل تذکرہ کے طور پر نہیں لکھا گیا، نہ اسے موصوف کے حالات وکمالات کا مکمل مرقّع سمجھنا صحیح ہوگا، یہ در حقیقت نقوش وتأثرات کا حسین مرقّع ہے جسے عزیزم ومکرم مفتی معاذ صاحب سلمہٗ (مدرّس جامعہ ڈابھیل) نے اچھے انداز میں پیش کیا ہے، جس سے حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کی خدمات کے متعدد گوشے نمایاں ہوگئے ہیں، یہ مقالہ مستقبل کے سوانح نگار کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا ان شاء اللہ۔ نیز اس میں فنِ تجوید سے ذوق ورجحان رکھنے والے قراء حضرات کو اپنے ذوق کی تسکین اور دل چسپی کا سامان ملے گا، اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اقبال کے الفاظ میں ''دلوں کی تپش اور شبوں کا گداز'' ملے گا۔

زیرِ نظر مقالہ قاری صاحب مدظلہ العالی کے متعلقین اور تلامذہ کو زبانِ حال سے دعوت دیتا ہے کہ: ایک غیر متعلق شخص جسے قاری صاحب سے باقاعدہ تلمُّذ حاصل نہیں، کس والہانہ انداز میں قاری صاحب کی شخصیت وخدمات کو نمایاں کرتا ہے! ایک ایک ادا پر کیسا فدا ہے! ملفوظات اور واقعات کو کس خوبصورت انداز میں لڑی پروتا ہے! کیا ہم پر واجبی حق نہیں کہ ہم بھی کچھ کریں؟

راقم السطور کو اپنے بڑوں کی سوانح عمریوں کے مطالعہ کا ذوق رہا ہے؛ اس

لیے بلا تأمل کہہ سکتا ہے کہ: اس مقالے نے حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کی ظاہری خدمات اور باطنی کمالات کے کچھ نمونے پیش کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، اور بعض تاریک گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جو عام تلامذہ اور متعلقین عقیدت مندوں کی عقابی نگاہ سے باہر رہے ہیں۔

اس مقالے کا ایک اہم عنوان: ''ایک نئی فکر، عورتوں میں تجوید وقراءت کی اشاعت'' ضرور پڑھیے، اس نئی فکر میں بانئ مدرسہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی فکریں پنہاں ہیں؛ بلکہ اس میں ان کی فکروں کا احیاء ہے۔ مدتوں سے یہ گوشۂ خمول میں تھا جسے حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی نے حیاتِ نوبخشی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ: بانئ مدرسہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل: حضرت مولانا احمد حسن بھامؒ (۱۳۴۳ھ) نے جس دور میں مدرسے کی بنیاد رکھی تھی، اُس وقت ڈابھیل وسملک گاؤں میں صحت کے ساتھ قرآن شریف کی تعلیم عنقا تھی، مدرسے کے قیام کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں کایا پلٹ گئی؛ چناں چہ ایک جگہ مولانا بھامؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس وقت لڑکے قرآنِ پاک تجوید کے قواعد کے مطابق پڑھتے ہیں، جب کہ اس سے قبل خلافِ تجوید پڑھتے تھے..... اس سے قبل لڑکیاں تعلیمِ قرآن اور دینی امور سے ناواقف رہ جاتی تھیں، اب کچھ لڑکیوں نے قرآن شریف مکمل کرلیا ہے۔ (روئداد گجراتی ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء)

حضرت مولانا بھامؒ کو لڑکیوں کی تعلیم سے خاص دل چسپی تھی، جامعہ کی قدیم روئداد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں باقاعدہ زنانہ مدرسہ کا انتظام تھا، سملک وڈابھیل کی لڑکیاں اس میں تعلیم حاصل کرتی تھیں، روئداد میں ان کا نام مع ولدیت شائع ہوتا تھا، امتحان کے بعد ان کو انعام سے بھی نوازا جاتا تھا۔

چناں چہ ایک جگہ مولانا بھامؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ کی جانب سے ایک زنانہ مدرسہ طالبات کے لیے شروع کیا گیا ہے، جس میں ایک وقت تعلیم اور دوسرے وقت میں سلائی کا ہُنر سکھانے کے لیے پردہ نشین خاتون متعین کی گئی ہے''۔

(روئداد گجراتی ۱۳۲۶ء تا ۱۳۲۷ء)

جامعہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ (م: ۱۳۷۱ھ) اردو روئداد میں تحریر فرماتے ہیں:

''جامعہ میں لڑکیوں کو قرآن شریف اور چند دینی اردو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، گجراتی تین کلاس تک پڑھائی جاتی ہے؛ حالاں کہ ان کو اس سے زیادہ تعلیم دینے کی ضرورت ہے، دوسری قومیں تعلیمِ نسواں میں بھی ہم سے آگے بڑھ گئی ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان کی تعلیمی ترقی کے لیے پوری توجہ کی جائے۔........ جامعہ میں جس حد تک ان کی موجودہ تعلیم ہوتی ہے ان کو حاصل کرنے تک اکثر لڑکیاں بڑی ہو جاتی

ہیں؛اس لیے ان کی آئندہ تعلیم کے لیے ضرورت ہے کہ بستی کے اندر ہی علاحدہ ایک مدرسۂ نسواں کھولا جائے، جو جامعہ کی شاخ اور اسی کی زیرِ نگرانی ہو"۔ (روئداد جامعہ ورد و ۵۲ ۱۳۵۲ھ ص:۲۰)

سطورِ بالا میں روئدادِ جامعہ سے نقل کردہ بالا عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ،لڑکیوں کو صحت کے ساتھ قرآن شریف اور دیگر ضروری تعلیم دینا قیامِ جامعہ کے مقاصد میں سے ہے۔سابق بزرگوں نے اس کا خوب لحاظ کیا؛مگر بعد کے دور میں شاید بعض مصالح کی بنا پر لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ موقوف کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کو اہالیانِ ڈابھیل وسملک کی طرف سے خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے،کہ موصوف نے یہاں کی طالبات پر محنت کر کے فنِ تجوید سے روشناس کرایا،اوران کے لیے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں؛اگر یہ سلسلہ برابر جاری رہا تو کیا بعید ہے کہ فنِ تجوید میں مشہور ومعروف علاقۂ پانی پت کی طرح سملک وڈابھیل سے بھی اس علم کے چشمے جاری ہوں۔

احقر حضرت اقدس قاری صاحب دامت برکاتہم کا ایک ادنیٰ شاگرد ہے، وقتاً فوقتاً الحمدللہ استفادہ جاری ہے۔ایک موقع پر احقر نے گجراتی ماہنامے کا تراشہ بھیجا (م:۲۰۰۱ء) جس میں سیرت اور تاریخ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدر آبادیؒ) کی کتاب "بہترین تحریریں" کے حوالے سے تعلیمِ نسواں

کے متعلق ایک حدیث شریف نقل کی تھی، اسے ملاحظہ فرما کر حضرت بہت خوش ہوئے، اور اپنے ملفوظات میں اسے رکھ لیا، قارئین کے افادے کے لیے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''المغازی'' (لابن اسحاق) میں قرآن مجید کی نشر واشاعت سے متعلق قدیم ترین تذکرہ ملتا ہے، (یہ کتاب نایاب ہو چکی تھی؛ لیکن حال ہی میں اس کے کچھ اجزا دستیاب ہوئے، اور حکومتِ مراکش (مورکّو) نے اس کو شائع کیا ہے) جس کو ابن ہشام نے عمداً یا نسیاناً نہ معلوم کس وجہ سے اپنی کتاب ''سیرت النبی'' میں ذکر نہیں کیا۔ اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: ''جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آیتِ قرآنی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاً صحابہ (مَردوں) کی جماعت میں تلاوت فرماتے، پھر اس کے بعد اُسی آیت کو صحابیات (عورتوں) کی خصوصی مجلس میں بھی پڑھ سناتے''۔ تاریخِ اسلام میں یہ ایک نہایت اہمیت کا حامل واقعہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیمِ نسواں سے اتنی ہی دل چسپی تھی جتنی تعلیمِ رجال سے تھی۔ (بہترین تحریریں ص: ۱۸۲؛ از ڈاکٹر حمید اللہ، بہ حوالہ ماہنامہ ''بیانِ مصطفیٰ''، گجراتی، اکل کوا مہاراشٹر: ماہ نومبر ۲۰۱۲ء ص: ۳۵)

عزیز مکرم مفتی معاذ سلمہ کا یہ مقالہ برائے سیمینار منعقدہ ۴-۵/ اپریل ۲۰۱۲ء بہ مقام جامعۃ القراءات کفلیتہ گجرات لکھا گیا ہے، اس سیمینار کے روحِ

رواں حضرت قاری اسماعیل صاحب بسم اللہ مدظلہ العالی ہیں، یہاں ان کا شکریہ ادا کرنا بھی ہمارا اخلاقی فریضہ ہے، کہ سیمینار کی برکت سے متعدد قرائے کرام کے کارنامے منصہ شہود پر آ گئے۔ اِسی موقع پر راقم الحروف نے بھی ایک مقالہ جامعہ ڈابھیل کی طرف سے سپردِ قلم کیا تھا، جسے بعد میں جامعہ ہٰذا کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم نے ''جامعہ ڈابھیل اور فنِ تجوید'' کے نام سے شائع کیا، فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء۔ اُس مقالے میں بھی حضرت اقدس قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کی خدماتِ جلیلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بہر حال! مفتی معاذ صاحب سلمہ کا یہ مقالہ ہر آئینہ لائقِ تحسین ہے، احقر نے از اول تا آخر پڑھا، مستفید ہوا۔ ان کی خواہش پر یہ تحریر لکھی ہے، ان کا احقر پر واجبی حق اور احسان ہے کہ احقر کی ہر کتاب کی پروف ریڈنگ موصوف ہی کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ مقالہ اہلِ علم کے لیے عموماً اور قراء حضرات کے لیے خصوصاً بہت نافع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس پیش رفت کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر فاضل مرتب کو مزید خدماتِ علمیہ ودینیہ کے لیے موفّق فرمائے۔ آمین

احقر عبد القیوم راجکوٹی

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

بوقتِ چاشت

تقــــریظ

استاذ محترم مفتی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سملکی دامت برکاتہم

(استاذِ فقہ وحدیث وقاضی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنِ کریم کے خادم کو عالمِ بالا میں ''عظیم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب فضائل القرآن) پھر اس کی عظمت کی پرچھائیاں اس عالمِ ناسوتی میں بسنے والوں کے قلوب پر پڑتی ہیں، اور نیکوکار اس کی اپنائیت کو اپنے اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔

استاذی ومشفقی حضرت اقدس قاری احمد اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی ذاتِ گرامی بھی ان شاء اللہ ان ہی عالی صفات شخصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اپنی کتابِ عزیز کی خدمت کا جو شغف عطا فرمایا ہے وہ قابلِ صدر شک اور لائقِ اتباع ہے۔ بندہ کو حضرت والا سے فوائدِ مکیہ، خلاصہ، جزری، شاطبیہ، دُرّہ وغیرہ کتب اور قراءاتِ سبعہ وعشرہ پڑھنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ بڑی شفقتوں اور ذرّہ نوازیوں کا معاملہ فرماتے رہے اور تاہنوز جاری ہے۔ أدام اللہ ألطافه و شكر سعيه و بارك في حياته بالعافية و السلامة.

ایک شاگرد بھلا اپنے استاذ کا ''حقِ منت'' کن الفاظ میں ادا کرسکتا ہے! استقلال و پامردی، خلوص وللّٰہیت، وقار و متانت، استغنا وخودداری، اور دیگر بہت

سے اوصاف (جن کی تفصیلات اگر میں اس جگہ ذکر کروں تو مجھے یقین ہے کہ ان بزرگوں کو یہ گراں گذرے گا، ان) کا بندہ نے حضرت الاستاذ میں نہایت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ چوں کہ ناچیز کو حضرت سے صرف تعلیم و تعلم ہی کی رسم وراہ نہیں رہی ہے؛ بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ بندہ کو سولہ سال کے طویل عرصہ سے حضرت سے جوار اور پڑوسی پن کا نیاز بھی حاصل رہا ہے۔

اِس وقت میرے دل میں پُرزور یہ داعیہ پیدا ہو رہا ہے کہ اپنے نانا مرحوم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ کو خراجِ عقیدت پیش کروں؛ جن کی جوہر شناس نظروں نے ایسے ایسے ہیرے اور جواہرات اس جامعہ میں جمع کر دیے جنھوں نے ایک ہی جگہ رہ کر اپنی عمریں گذار دیں، اور اِس چمن کی آبیاری میں انقلابی کارنامے انجام دیے۔ سچ یہ ہے کہ اساتذہ کا حسنِ انتخاب کسی مدرسہ کی ترقی کا بہت بڑا ضامن ہوتا ہے۔

الحمدللہ! یہی مدبرانہ شان ان کے خلفِ صادق، موجودہ مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم کو بھی بہ فضلِ الٰہی حاصل رہی ہے، چوں کہ تخم ریزی کے بعد اس کی سرسبزی وشادابی کا عمل بھی کوئی کم اہمیت کا حامل مرحلہ نہیں ہے، اپنے والدِ بزرگوار کے نقشِ قدم پر چل کر انھوں نے ان کی لگائی ہوئی فصل کو سدا لہلہاتا رکھا ہے؛ ان اکابر اساتذہ کو ان کی خدمات کے شایانِ شان اور سازگار ماحول فراہم کرنے میں اس میرِ کارواں کا بھی بڑا دخل رہا ہے، اللہ تعالیٰ

ان کی اس خدمت کو دوام بخشے اور بے پناہ مقبولیت عطا فرماوے، نظرِ بد سے انہیں محفوظ رکھے۔ آمین

الغرض! زیرِ نظر رسالہ افقِ جامعہ پر جگمگاتے ان ہی جواہر پاروں میں سے ایک حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت پر تیار کیا گیا ہے۔ مؤلفِ رسالہ مفتی معاذ صاحب بمبوی زید مجدہٗ نے اس رسالہ میں حضرت قاری صاحب کے اوصاف وکمالات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی شخصیت پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ موصوف اسی جامعہ کے ہونہار فاضل ہیں اور یہیں استاذ بھی! ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے زبان وقلم کا اچھا ذوق بخشا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور ہمیں ان بڑوں کے اخلاق کا امین بناوے۔ آمین، فقط

بندہ: محمد حفظ الرحمٰن سملکی

مؤرخہ: ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

مطابق: ۱۱/ فروری ۲۰۱۷ء

تقریظ

حضرت مولانا قاری محمد رضوان صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

(استاذ شعبۂ تجوید وقراءات جامعہ ڈابھیل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڑے خوش قسمت ہیں وہ علما، فُضَلا اور قرّ ا، جنھیں اپنی زندگی میں دینی، علمی اور اصلاحی وتربیتی خدمات کے مواقع مُیسَّر ہوئے، اور انھوں نے اپنی زندگی میں ان خدمات کو اخلاص واستقامت کے ساتھ انجام دیا، بالخصوص تلامذہ کی تعلیم وتربیت میں پوری دل چسپی سے لگے رہے، اور انھیں کارآمد بنا کر علوم وفنون کی خدمات کے لیے تیار کیا؛ ایسے خدامِ دین کی خدمات پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔

ایسے قابلِ فخر معلمین، باکمال وباصلاحیت اساتذہ اور مردم ساز شخصیات کی حیات وخدمات اور ان کی بے نظیر تعلیمی وتربیتی قربانیوں کو اُجاگر کرنے کے لیے اُن کے خوشہ چینیوں، شاگردوں اور محبین ومعتقدین نے ماضی میں بہت کچھ لکھا، بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، اور آئندہ بھی لکھا جائے گا؛ تاکہ ان کے حالات وسوانحات اور ان کی صفات وخوبیاں پڑھ کر عام قارئین اور بالخصوص مدارسِ اسلامیہ کی نئی نسل کے دل میں بھی علمی تبحُّر، بیدار مغزی، جوشِ عمل اور قربانی کے وہی جذبات پیدا ہوں۔

پیشِ نظر رسالہ (جو درحقیقت ایک مقالہ ہے) میں بھی ایک ایسے ہی

مخلص، باوقار اور رجال ساز، عاشق وخادمِ قرآن کا تذکرہ ہے۔ قارئین کے لیے رسالے کے مندرجات کو پڑھ کر اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ، مخدومنا المکرم حضرت مولانا قاری ومقری احمد اللہ صاحب قاسمی -متعنا اللّٰہ بطول بقا ئہ- نے اپنی زندگی کی چار دہائیوں کی طویل مدت میں پورے خلوص وللّٰہیت، غیر معمولی عزم وارادہ اور بے مثال فنائیت کے جذبہ کے ساتھ علم وفن کی ترویج واشاعت کے لیے تعلیم وتربیت کی لائن میں وہ مفید، پُرتاثیر اور محیر العقول طریقے اختیار کیے جو بحمد اللہ سو فی صد کامیاب ثابت ہوئے، اور جس کے نتیجے میں خدامِ قرآن کی بڑی تعداد کو خدمتِ قرآن کے باب میں میدانِ کار ملے۔

ضرورت تھی کہ استاذِ محترم مدظلہ العالی کے متنوّع محاسن ومحامد، اوصاف وکمالات اور نوع بہ نوع علمی وفنی اور تالیفی وتصنیفی نمایاں خدمات کی جھلک تحریری صورت میں دکھائی جاتی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر مرحمت فرمائے عزیز القدر جناب مولوی مفتی معاذ صاحب زید فیضہ کو، کہ انھوں نے ''زندہ فراموشی ومردہ پرستی'' کی ''رسمِ پارینہ'' سے بغاوت کرتے ہوئے حضرت الاستاذ کی حیاتِ طیبہ ہی میں، آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور تعلیم وتدریس کی پُر پیچ وادیوں میں آپ کے تابندہ نقوش اور پائندہ کارناموں کو مختصر عبارت، جامع الفاظ، دل چسپ پیرایہ اور سبق آموز انداز میں زبان وادب کی حلاوت سے معمور کرکے کتابی صورت میں پیش کرنے کی مبارک سعی کی ہے۔ تذکرہ نگار کو اس بات سے اعتراف ہے کہ: یہ

پیش کش حضرت الاستاذ کی کوئی مستقل سوانح نہیں، اور نہ ہی اُنھیں حضرت الاستاذ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام گوشوں کے احصا کا دعویٰ ہے؛ تاہم قارئین خود محسوس کریں گے کہ انھوں نے حضرت الاستاذ کی ذات سے وابستہ معلومات کا ایک وافر خزانہ پالیا ہے۔

باری تعالیٰ موصوف کی اس عظیم کاوش کو ان کے حق میں وسیلۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے، اور اس مقالہ کو دینی جامعات کے طلبہ واساتذہ کے لیے مفید بنائے، اور حضرت الاستاذ مدظلہ العالی کی حیاتِ مستعار کے باقی لمحات کی قدر پہچان کر ہمیں بھرپور استفادہ کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

محمد رضوان پالنپوری غفرلہ
خادم التجوید والقراءات
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ بروز جمعہ

نقاب کشائی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علوم وفنون کی دنیا میں ''مجدد'' اور ''فن کی نشأۃِ ثانیہ کے علمبر دار'' نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں، ایسے مجدد جو فن کے پیچھے اپنی جان کھپا دیتے ہیں، جو اس کے بکھرے گیسوؤں کو سنوارتے ہیں، جو خونِ جگر سے اس کی آبیاری کے فرائض انجام دیتے ہیں اور جو تنِ تنہا گوشے میں بیٹھ کر وہ کام کر جاتے ہیں جو بڑی بڑی اکیڈمیاں نہیں کر پاتیں، ایسے لوگ ''فردِ واحد و نجمن'' ہوتے ہیں، انہیں نہ کسی صلے کی تمنا ہوتی ہے اور نہ کسی شہرت کی خواہش، ان کی زندگی سے بے خبر چپکے چپکے اپنا کام کیے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسی شخصیتوں کو ان کی زندگی میں کماحقہٗ پہچانا نہیں جاتا اور ان کی ذاتِ عالی سے جیسا استفادہ کرنا چاہیے نہیں ہو پاتا، فانی دنیا سے ان کے چلے جانے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہم ایک عظیم مجدّد کو کھو بیٹھے:

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا	اسے نا قدریٔ عالَم کا صلہ کہتے ہیں

یہ انسانی فطرت ہے کہ سامنے موجود نعمت کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے، ماہرینِ فن بھی قوم وملت کی ایسی ہی بیش بہا نعمتیں ہیں جس کی قدر ومنزلت سے آگاہی اس وقت ہوتی ہے جب ملت کے سر سے ان کا سایۂ عاطفت اٹھ جاتا ہے، بہ قولِ جلیل مانیکپوری

جلیل! احباب تیرے بعد برسوں روئیں گے
ابھی تو ہے، تو تیری قدر پہچانی نہیں جاتی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک (گجرات) کے صدر القراء حضرت اقدس مولانا وقاری احمد اللہ صاحب قاسمی -متعنا اللّٰہ بعلومہ وأنفع نا بطول حیاته- کی ذاتِ گرامی بھی ایسی ہی شخصیتوں سے ایک وقیر اور بلند پایہ شخصیت ہیں، فنِ تجوید وقراءت میں آپ کی خدمات کا دائرہ دہائیوں پر محیط ہے، آپ کے خوشہ چیں شاگردوں کا سلسلہ چھ براعظموں میں پھیلا ہوا ہے، آپ کی جد وجہد اور محنت وجاں فشانی سے فنِ تجوید وقراءت کو حیاتِ نَو ملی، مستقبل کا مؤرخ اس کا ضرور اعتراف کرے گا کہ جامعہ ڈابھیل کی تعمیر وترقی اور افادیت ونیک نامی میں آپ کا خونِ جگر بھی شامل رہا ہے، یہاں تجوید وقراءت کی پُررونق محفلیں آپ کے دمِ کرم سے آباد ہیں۔

بہاریں تم سے زندہ ہیں چمن تم سے عبارت ہے
تمہارے سامنے پھولوں سے مرجھایا نہیں جاتا

اس مقالے کے لکھنے کا مقصد جہاں یہ ہے کہ آپ کی گرانقدر خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا جائے وہیں سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ آپ کی ذاتِ عالی کو اِس ’’دورِ قحط الرجال‘‘ میں ’’نعمتِ غیر مترقبہ‘‘ سمجھا جائے۔ اور زیادہ سے زیادہ استفادے کی راہیں ہموار کی جائے۔ سچ پوچھیے تو سطحیت کے اِس دور میں علمی

گہرائی وگیرائی رکھنے والے ہمارے ایسے اکابر کا وجود بساغنیمت ہے! فضلا، علما وقرا کا فقدان نہیں؛ کھیپ کی کھیپ نکل کرآرہی ہے، مگرفنی آدمی- جو فکرونظر کے گلستاں کو تحقیق وجستجو سے شاد باد اور آباد رکھتے ہو- نہایت کمیاب ہوتے چلے جارہے ہیں، بقول جگرؔ مرادآبادی

کہنے کو اہلِ علم کی کوئی کمی نہیں	لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کی عمر میں برکت عطا فرمائے، تادیر بہ رحمت وعافیت ان کے سائے کو قائم رکھے اوران سے خوب سے خوب تر استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واضح رہے کہ یہ مقالہ ''جامعۃ القراءات کفلیتہ'' میں منعقدہ سیمینار کے لیے چارسال قبل لکھا گیا تھا، اس لیے اس میں حضرت قاری صاحب کی حیات کی بعض قابلِ عبرت گوشے (جوسیمینار کے بعد میں سامنے آئے) شامل نہیں ہیں، مثلاً: پچھلے سالوں حضرت پرایک پریشان کن مرض کا حملہ، علاج کے سلسلے میں حضرت کے اصول، آپ کا راضی بہ رضا رہنا آواز کا بالکل بند ہونے کے باوجود رجال سازی کا کام جاری رہنا وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں جو اس مقالے کا حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح نفسیات کے باب میں اُس وقت مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کا جو خاکہ تھا وہی پیش کردیا ہے، بعد میں اس فہرست میں اضافے ہوئے، بعض قابلِ قدر غیر مطبوعہ کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ بھی ہوگئیں؛ لیکن اُس خاکے کو جوں

کا توں باقی رکھا گیا ہے، اسی طرح حضرتِ والا کی پچھلی زندگی کی بعض نئی معلومات بھی سامنے آئیں؛ لیکن اسے بھی شاملِ مقالہ نہیں کیا گیا ہے، غرض یہ کہ اُس وقت لکھے گئے مقالے کو سوائے رسمی نوک پلک کی درستگی کے بجسنہٖ باقی رکھا گیا ہے۔

چوں کہ مقالہ سیمینار میں خواندگی کے لیے لکھا گیا تھا؛ اس لیے مقالے کا اختتام بھی سیمینار کے ماحول اور اس کی خواندگی کے منظر کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے، قارئین سے گزارش ہے کہ مقالۂ ہٰذا کا اسی زادیے سے مطالعہ کیا جائے گویا سیمینار میں پڑھا جارہا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مقالہ کا پس منظر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونے کا موقع بھی ہاتھ لگے گا۔

اس مختصر پس منظر کے بعد سب سے پہلے حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ صرف راقم آثم کی حوصلہ افزائی کی غرض سے اس مقالے کے اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور حسبِ عادت شفقت ومودت اور خورد نوازی کا معاملہ فرمایا۔

راقم بلا جھجھک و بدون کسی تکلف کے اعتراف کرتا ہے کہ جس قدر عالی اور رفیع المرتبت آپ کی ہستی تھی اس کی صحیح عکاسی نہیں ہو پائی اور نہ ہی بند اس قابل تھا کہ ایسی بلند پایہ شخصیت ہر قلم اٹھاتا؛ لیکن اسے بس عقیدت کی وارفتگی کہیے یا محبت کی شیفتگی کہیے کہ یہ بے سواد قلم آپ کی حیاتِ گرامی کے کچھ نقوش ثبت کرسکا، بہ قول اختر شیرانی:

مجھے اپنی بستی کی شرم ہے، تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں اسے پھر بھی شوقِ وصال ہے

اس کے بعد جامعہ القراءات کفلیتہ کے روحِ رواں و مہتمم حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب مدظلہ العالی کا بھی ممنون و مشکور ہوں کہ ان کے ادارے میں منعقد شدہ تاریخی سیمینار ہی اس مقالے کے وجود میں آنے کا سبب بنا، واقعہ یہ ہے کہ ایک نازک، اہم اور لائقِ محنت موضوع پر اتنا بڑا سیمینار منعقد کرنا بھی بڑے حوصلے اور جگر گردے کا کام ہے، بے شک اس پر آپ صد مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماوے اور مزید خدماتِ علمیہ و دینیہ کے لیے موفق فرمائے، آمین۔

مشفقی و مربی حضرت الاستاذ مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ العالی کا بھی منت شناس ہوں کہ جامعی ڈابھیل کی تجویدی خدمات پر لکھے گئے آپ کے گرانقدر مقالے سے استفادہ کا موقع ہاتھ لگا، یاد رہے ہے اسی وقت یہ مقالہ غیر مطبوعہ تھا، اب تاریخی حقائق سے لبریز یہ مقالہ "جامعہ ڈابھیل اور فنِ تجوید، خدمات اور قراء کا تعارف" کے نام سے مطبوع ہو کر سرمۂ اہلِ بصیرت بن چکا ہے۔ نیز گراں قدر مصروفیتوں کے باوجود آپ نے مقالے کا مطالعہ فرما کر مفید مشوروں سے نوازا اور بندے کی درخواست پر قیمتی تقریظ بھی لکھ کر عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے سایے کو تادیر بہ صحت و عافیت

ہم خوردوں کے سر پر قائم رکھے، آمین۔

میرے مشفق ومحبوب استاذ ''حضرت مفتی حفظ الرحمٰن صاحب سملکی''

مدظلہ العالی کا بھی بندے پر بڑا احسان رہا کہ آپ نے راقم کے التماس پر محض

حوصلہ افزائی کی خاطر بیش بہا تقریظ عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کو

دارین میں بہتر بدلہ نصیب فرمائے اور آپ کی ذات سے خوب استفادے کی

توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کے دو خلیق ومخلص خادم قاری اسحاق

صاحب بھڑکودروی وقاری عبدالرحمٰن صاحب بھڑکودروی زید مجدہما کا، نیز جامعہ

کے شعبۂ تجوید کے فعال استاذ اور لجنۃ القراء کے روح ''قاری محمد رضوان صاحب

پالنپوری'' مدظلہ کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ یہی تینوں حضرات بندے کے لیے

اس کے محرک بنے اور ان میں تین حضرات کی مخلصانہ کا مجوئیوں کے طفیل مقالہ پایۂ

تکمیل کو پہنچا، جمعِ مواد سے لے کر مرحلۂ تصحیح تک قدم بہ قدم ان کا تعاون شاملِ

حال رہا؛ نیز آخر الذکر نے اپنی مفید تقریظ عنایت فرما کر مزید خورد نوازی کا معاملہ

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تعاون کو قبول فرما کر دارین کی فلاح وکامرانی اور شجاعت کا

ذریعہ بنائیں۔ آمین

یہ سب کچھ بھی نہ ہوسکتا اگر میرے رحیم وکریم پروردگار کی مہربانیاں نہ

ہوتیں، جو کچھ اور جیسا کچھ ہوسکا سب اُسی کے کرم کا صدقہ ہے، اس کا فضلِ

بے پایاں شاملِ حال رہا تو یہ نابکار گنہگار کچھ شطر میں گھسیٹ سکا اس میں کو جو کچھ خرابی نکلے تو اس کا ذمہ دار بندہ عاصی ہے اور جو کچھ خوبی ہے وہ اسی کے کرم کا صدقہ ہے۔

میرے قلم پہ ہوئی جس گھڑی نظر تیری
میرے سخن، رُتبے، ذی وقار تو نے کیا

عاجزانہ دعا ہے اُس دربارِ عالی سے کہ وہ ان شکستہ سطروں کے طفیل اپنے عظیم کلام کے خدام میں اس گنہگار کو بھی شامل فرمادیں۔ آمین

معاذ ابن عبدالرزاق چارولیہ عفی عنہ

خادم جامعہ ہٰذا

۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ بروز یک شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي أنزَلَ القُراٰنَ وَرَفَعَ بِهِ الإنسانَ، وَجَعَلَهُ نُورَ الْقُلُوبِ وَالأبدَانِ، وَكَرَّمَ أَهْلَهُ بِالنُّورِ فِي الدُّنيَا وَيَومَ يُحشَرُ الثَّقَلانِ، بَشَّرَ حَامِلِيهِ وَحَفَظَتِهِ بِالمَغفِرَةِ وَالرِّضْوَانِ؛ ثُمَّ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلىٰ مَن أَمَرَ بتِلاوَةِ القُراٰنِ، فَتَلاهُ حَقَّ تِلاوَتِهِ، وَرَتَّلَهُ أَحْسَنَ تَرتِيلاً؛ وَعَلىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإحسَانٍ إلىٰ يَومِ الدِّينِ.

زندہ فراموشی ومُردہ پرستی

کسی زندہ پر لکھنا ہم جیسوں کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے، حالاں کہ زندہ باکمالوں کی قدر و قیمت سے انسانوں کو متعارف کرانا زیادہ مفید ہے؛ اس لیے کہ ان سے استفادے اور فیض یاب ہونے کی راہ کھلی ہوئی ہوتی ہے، جب کہ مردہ اصحابِ کمال سے استفادے کا اس کے سوا کوئی امکان نہیں رہتا کہ ان کی سیرت و سوانح (بہ شرطیکہ لکھ دی گئی ہو) کا مطالعہ کرکے ان کے باکمال ہونے کے منہاج کو اپنا کر، باکمال بننے کی کوشش کی جائے اور دین و دنیا کے اُن اکتسابات سے اپنا دامن بھرنے کی سعی کی جائے جن کی وجہ سے کسی کو ''باکمال'' کہا جاتا اور ''لائق رشک'' سمجھا جاتا ہے؛ لیکن زندہ شخصیتیں ایسا لگتا ہے کہ قلم اور زبان کی راہ روک کے کھڑی ہو جاتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ عظیم کی عظمت، باکمال کا کمال اور

باصلاحیت کا حتمی نتیجہ یعنی غیرت، خودداری، اور شرافت اہلِ زبان اور اہلِ قلم کو ملامت اور عتاب کے لہجے میں کہتی ہیں کہ تمھیں کیسے یہ ہمت ہوئی کہ تم میرے حامل کے جیتے جی اور بعض دفعہ اس کے منھ پر اس کی ثنا خوانی کر سکو؟ اس کی قدردانی اور توقیر و احترام کے اور بھی طریقے اور دن ہو سکتے ہیں!۔

غالباً اسی وجہ سے زندہ اہلِ علم و فضل کو تحریر و تقریر کا موضوع بنانے کا عام رواج نہیں؛ بلکہ صرف مردوں کے کارناموں کو زندہ کرنے کی روش عام ہے اور معمول بہ۔ اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہے کہ مردوں کے حوالہ سے لکھنے بولنے والا بے تکلف جتنا اور جیسا چاہتا ہے لکھتا اور بولتا ہے؛ کیوں کہ کسی روکنے ٹوکنے والے کی روک ٹوک کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا؛ اس لیے بے تکلفی، بے ساختگی، آمد اور خلوص کے عناصر کی بھرپور مدد، اس کو حاصل رہتی ہے، جب کہ زندوں کی ''حضوری'' کا حجاب طرح طرح کے مسائل کے ساتھ، لکھنے بولنے والے کے سامنے حائل ہو جاتا ہے اور ''احتیاط، مصلحت بینی، پسند و ناپسند'' کے جذبات کو پیشِ نظر رکھنے کی وجہ سے وہ ''آزادیٔ رائے'' سے کما حقہ کام نہیں لے پاتا۔

لیکن میری رائے میں زندوں کو، ان کی زندگی میں اچھی طرح جاننے اور سمجھنے، خراجِ تحسین پیش کرنے اور ان کے کارناموں کو انعاموں اور تمغوں کے ذریعہ اجاگر کر کے، ان کا مزید حوصلہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ، نسلِ حاضر کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کی جو ''طرح'' یورپ میں قائم ہے اور جس کو اب دیار

مشرق میں بھی برتا جانے لگا ہے؛ وہ بہت خوب اور لائقِ صد تقلید ہے کہ زندوں کے زندہ رہتے ہوئے، ان کے کمال اور ہنر کی صحیح معرفت کے بعد، ان سے بلاواسطہ اور بروقت فائدہ اٹھا کر ان کی نکالی ہوئی راہ، انجام دیے ہوئے کارناموں اور روشن کی ہوئی شمع سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جا سکتا ہے اور دین و دنیا کی ترقی کی منزلیں زیادہ آسانی اور تیزی سے طے کی جا سکتی ہیں؛ کیوں کہ زندوں کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ''نظریہ'' اور ''نمونۂ عمل'' دونوں موجود ہوتے ہیں، جب کہ مردوں کے حوالے سے سچ یہ ہے کہ ان کی سیرت وکردار کا ریکارڈ صرف ''نظریہ'' تو دیتا ہے؛ لیکن متحرک ''نمونۂ عمل'' نہیں دیتا؛ اس لیے ان کی سیرت وکردار کا مطالعہ کنندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سیرت اور کردار کو کس طرح برپا کیا جائے؟ یہ ہمیں کون بتائے گا؟ مشین (Machine) کے ساتھ راہ نما کتاب (Guidebook) اور ''کتابِ مبین'' کے ساتھ ''نورِ عظیم'' ایسا قانونِ فطرت ہے، جس کو خود خدائے ذوالجلال نے وضع کیا اور اس کی راہ دکھائی اور خلق کو اس پر چلایا ہے اور اس کے بندوں نے اس کو طبعی طور پر قبول کر کے اس پر عمل کیا۔

(پسِ مرگ زندہ: ۹۱۶)

ناظرین کرام: امتِ اسلامیہ کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے شکوہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ''یہ امت زندہ فراموشی و مردہ پرستی میں بدنامی کی حد تک نامور ہے''۔ (پرانے چراغ حصہ دوم)

رسمِ پارینہ سے بغاوت

آیئے! زندہ فراموشی کی اس پارینہ روایت کوتوڑتے ہوئے میں آپ کو ایک ایسی شخصیت سے متعارف کرواؤں، جوفنافی القرآن کی زندہ وتابندہ مثال ہے، جوخودداری وعزتِ نفس کا آئینہ دار ہے، جوفن تجوید کو چار دہائیوں سے اپنے خونِ جگر سے سیراب کررہا ہے، جواپنی حیاتِ مستعار کا ہر ہر لمحہ اسلام اور خدمتِ اسلام کے لیے وقف کرچکا ہے، جومجسم شرافت ونجابت اور پیکرِ صدق وصفا ہے، جو عاجزی وانکساری، صبر ورضا، ریاضت ومجاہدہ، علم وعمل، فضل وتقوی، اوراخلاص وللّٰہیت کا مظہرِ اتم ہے، میری مراد اس سے امام التجوید والقراءات حضرت قاری محمد کامل صاحب افضل گڈھی کے قابلِ فخر شاگرد، فن تجوید وقراءت کے عظیم شاہکار، گوہرِ یکتا ودرِّ آبدار صدر القراء حضرت اقدس مولانا قاری احمد اللہ صاحب قاسمی بھاگلپوری متعنا اللّٰه بعلومه، وأنفعنا بحياته کی ذاتِ گرامی ہے۔

ولادت باسعادت

۱۲/ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ مطابق ۵/اپریل ۱۹۴۴ء بروز بدھ ضلع بھاگلپور کے ایک گمنام گاؤں کرنپور کے ایک شریف دیندار علمی گھرانے میں ایک بچے نے آنکھیں کھولیں، اوردستِ قضاوقدر نے کرنپور کے اس معصوم بچہ سے پورے عالم میں تجوید وقراءات کی کرنیں بکھیرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اسمِ گرامی احمد اللہ تجویز ہوا، والد صاحب کا نام حاجی معارف حسین، اورامیرِ شریعت مولانا منت اللہ رحمانی

کے دامن عقیدت سے وابستہ۔ والدِ گرامی اصطلاحی عالم نہ تھے، مگر مطالعہ وسیع تھا، فارسی کا عمدہ ذوق رکھتے، فارسی مناجات کے اکثر اشعار نوکِ زبان تھے، زاہد وعابد، اکثر اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف رہتے، حضرت قاری صاحب کے دو بھائی تھے، بڑے بھائی کا نام مولانا سیف اللہ صاحب قاسمی تھا، تقریباً ۱۸/سال حضرت فخر المحدثین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا، آپ جمعیت کے فعال اور سرگرم کارکن شمار ہوتے تھے، فی الحال مزارِ قاسمی (دیوبند) میں محوخواب ہے۔ دوسرے بھائی مولانا رفیع اللہ صاحب قاسمی تھے، فدائے ملت حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ نے انہیں خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، آپ متعدد مدارس میں نمایاں خدمات انجام دے کر اپنے آبائی وطن کرن پور میں مدفون ہوئے۔

تعلیم و تربیت و اساتذۂ کرام

تعلیم کا آغاز آغوشِ مادر سے ہوا، پھر دستور کے موافق کرن پور کے مکتب کو رونق بخشی، مولوی اختر صاحب لکھنپوری، ضلع مونگیر سے قاعدۂ بغدادی پڑھا، حافظ سلیم صاحب چکدریہ ضلع بھاگلپور سے پارۂ عم کی کچھ سورتیں پڑھیں، حافظ ابوالحسن صاحب گرہوتیہ، ضلع بھاگلپور کے پاس قرآنِ مجید کے بیس پارے ناظرہ پڑھے، ہونہاری اور خوش قسمتی کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے، قرآنِ کریم کے حفظ کا آغاز مدرسہ اصلاح المسلمین چمپانگر، بھاگلپور میں حضرت مولانا قاری

عبدالرشید صاحب (تلمیذ حضرت قاری محب الدین احمد صاحب الہ آبادیؒ) کے پاس ہوا، مختلف اساتذہ سے پڑھنے کے بعد تکمیل مدرسہ شاہی مرادآباد میں قاری ابراہیم صاحب رامپوریؒ کے یہاں ہوئی۔

درجۂ فارسی کی کچھ کتابیں مرادآباد ہی میں مولانا مستحسن الدین صاحب کے پاس پڑھیں، اور بقیہ کتب کے لیے جامعہ رحمانی مونگیر بہار تشریف لے گئے، بعدہٗ عربی کی تعلیم کے لیے شہرۂ آفاق ادارہ دارالعلوم دیوبند کی جانب کوچ کیا اور تقریباً ہدایہ تک کی کتابیں مکمل کرنے کے بعد دوبارہ شاہی مرادآباد آئے اور یہیں کی سندِ فراغت اور دستارِ فضیلت نصیب ہوئیں، آپ کا سنِ فراغت ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء ہے۔

آپ نے کونسی کتاب کس مدرسہ میں کس استاذ صاحب سے پڑھی درجِ ذیل نقشہ سے بہ خوبی سمجھا سکتا ہے:

اسمائے کتب	اساتذہ کرام	مدرسہ
میزان منشعب، نحو میر، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو، نورالایضاح، مرقاۃ	حضرت مولانا رفیع اللہ صاحبؒ (برادرِ گرامی)	دارالعلوم دیوبند (خارج میں)
پنج گنج	مولانا سیف اللہ صاحب (برادرِ گرامی)	دارالعلوم دیوبند (خارج میں)

علم الصیغہ، شرحِ جامی (بحث فعل)، شرح وقایہ	حضرت مولانا حامد میاں صاحب	دارالعلوم دیوبند
کافیہ، قدوری	حضرت مولانا سعید صاحب نواسۂ حضرت گنگوہیؒ	دارالعلوم دیوبند
شرحِ جامی (بحث اسم)، کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرح تہذیب	مولانا رفیع اللہ صاحبؒ (برادرِ گرامی)	مدرسہ حسینیہ ہرنتھ
نفحۃ الیمن	حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ	دارالعلوم دیوبند
قطبی (تصورات)	مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی	دارالعلوم دیوبند
قطبی (تصدیقات)	حضرت مولانا زبیر صاحب دیوبندی	دارالعلوم دیوبند
مقامات	حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ	دارالعلوم دیوبند
میبذی	مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ	دارالعلوم دیوبند
سلّم العلوم	حضرت مولانا شعیب صاحب پشاوری	شاہی مرادآباد
شرحِ عقائد	حضرت مولانا عبد الہادی صاحب پرتاپ گڈھی	شاہی مرادآباد
مختصر المعانی، ہدایہ اول کا کچھ حصہ اور شرحِ عقائد کا ابتدائی حصہ، عید الاضحیٰ تک	حضرت مولانا خورشید صاحب دیوبندی	دارالعلوم دیوبند

مختصر المعانی، ہدایہ مکمل، جلالین اول (عید الاضحیٰ کے بعد)	حضرت مولانا اختر اسلام صاحبزادہ مولانا فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ	شاہی مرادآباد
مشکوٰۃ (اول مکمل)	حضرت مولانا سید مفتی واحد رضا صاحب مرادآبادی	شاہی مرادآباد
مشکوٰۃ ثانی (کچھ حصہ عید الاضحیٰ تک)	حضرت مولانا محمد شاہ صاحب مرادآبادی	شاہی مرادآباد
مشکوٰۃ ثانی (عید الاضحیٰ کے بعد)	حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم	شاہی مرادآباد
جلالین ثانی	حضرت مولانا انصار الحق امروہوی	شاہی مرادآباد
موطا امام محمد	حضرت مولانا منظور حسین قاسمی	شاہی مرادآباد
مؤطا امام مالک	حضرت مولانا نسیم صاحب بجنوری	شاہی مرادآباد
ابن ماجہ	حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم	شاہی مرادآباد
طحاوی شریف، نسائی شریف	مولانا سید واحد رضا صاحب مرادآبادی	شاہی مرادآباد
ترمذی شریف	حضرت مفتی عبد الرحمن صاحب بچھرایونی	شاہی مرادآباد
ابوداؤد	حضرت مولانا اختر اسلام صاحب	شاہی مرادآباد
بخاری شریف، مسلم شریف	حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ	شاہی مرادآباد

تجوید وقراءت کی تعلیم اور اساتذہ

آپ کو شروع ہی سے فنِ تجوید کی طرف رغبت رہی ہے، زمانۂ حفظ ہی میں ترتیل کی مشق شروع کر دی تھی، اور حفظ کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ کو بروایتِ حفص پورا قرآن سنایا۔ جب دار العلوم تشریف لے گئے، اس وقت وہاں باقاعدہ درجات نہ تھے، طالبِ علم پر مدار رہتا تھا کہ وہ ایک دن میں کتنی کتابوں کے درس میں شامل ہو سکے گا، دار العلوم کے عرصۂ قیام میں آپ کا ہمیشہ معمول رہا کہ آپ تجوید کے لیے روزانہ تین گھنٹے فارغ کرتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے بہت سے رفقائے درس آپ سے کئی سال پہلے درسیات سے فارغ ہو گئے۔ ہدایہ پڑھنے کے بعد آتشِ شوق مزید بھڑکی اور خوب سے خوب تر کی جستجو شروع ہوئی، نگاہیں قاری محمد کامل صاحبؒ کے علاوہ کہیں نہ ٹھہر سکیں، چناں چہ دار العلوم کو چھوڑ کر مرادآباد آ گئے اور درسیات کے ساتھ تجوید وقراءات کی تکمیل کی۔ فنِ تجوید کے حصول کے لیے خوب مشقتیں برداشت کیں، مرادآباد کے زمانۂ قیام میں رات کو بارہ بجے کے بعد مسجد کے محراب میں جا کر ترتیل کی مشق فرماتے، حدر سنانے سے قبل ہر رکوع کم از کم پندرہ بیس مرتبہ پڑھتے۔

اُس وقت مرادآباد میں قاری محمد کامل صاحبؒ کے علاوہ ایک اور شخصیت قاری سید امیر علی صاحب شیخ القراء جامعہ حیات العلوم مرادآباد کی بھی تھی، قاری امیر علی صاحبؒ ادائیگی پر مکمل مہارت رکھتے، اور باریک سے باریک ادا پر کامل

عبور حاصل تھا، اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ فن سیکھنا ہو تو قاری کامل صاحب کے پاس جائے اور ادا میں مہارت حاصل کرنا ہو تو قاری امیر علی صاحب کے پاس آئے۔ آپ مدرسہ شاہی سے کافی دور پا پیادہ جامع مسجد میں جا کر قاری امیر علی صاحب کے پاس زانوئے تلمذ تہ کرتے۔

فنِ تجوید وقراءت میں درجِ ذیل حضرات آپ کے اساتذہ ہوئے:

(۱) قاری عبد الرشید صاحبؒ (خطیب جامع مسجد چمپانگر) سے چند رکوعات ترتیلاً مشق کر کے زمانۂ حفظ ہی میں تجوید کی سوجھ بوجھ حاصل کی۔

(۲) حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحبؒ (شیخ القراء دار العلوم دیوبند) کو ترتیلاً چند رکوعات سنانے کا شرف حاصل کیا اور حضرت کے مرتب کردہ قواعدِ تجوید اخذ کر کے حفاظتِ تجوید کا بیڑا اٹھایا۔

(۳) حضرت مولانا قاری عبد اللہ سلیم صاحب دامت برکاتہم (سابق استاذِ تجوید وقراءت دار العلوم دیوبند، حال مقیم امریکہ) کی خدمت میں دار العلوم کے زمانۂ قیام میں جا کر ترتیلاً مشق کی اور ''خلاصۃ البیان'' پڑھ کر اس منزل سے صحیح وسلامت گذر گئے۔

(۴) حضرت قاری عتیق الرحمن صاحبؒ صدر القراء دار العلوم دیوبند کو پورا قرآنِ کریم بروایتِ حفص کیفیتِ حدر میں سنانے کا شرف حاصل ہوا اور رحمن ورحیم ذات کی اعانت سے ''خلاصۃ البیان'' مکمل اور ''شاطبیہ'' کے کچھ اسباق بھی پڑھے۔

(۵) حضرت مولانا سید قاری امیر علی صاحب شیخ القراء جامعہ حیات العلوم مراد آباد کے پاس ترتیلاً مشق کی، چند رکوعات حدراً بھی سنائے، ''شاطبیہ وعقیلہ'' کے اکثر ابواب درساً پڑھے، نیز حضرت نے آپ کو قراءاتِ سبعہ وعشرہ پڑھانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، قاری امیر علی صاحب ہی کا یہ فیضان ہے کہ آج آپ کاروانِ تجوید وقراءت کی امارت فرما رہے ہیں۔

(٦) قاری محمد کامل صاحب صدر القراء جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد سے جمال القران، ضیاء القراءت، فوائدِ مکیہ، المقدمۃ الجزریہ، خلاصۃ البیان، ملح القرآن فی نظم القرآن، شاطبیہ (سہ بار)، درہ، عقیلہ، طیبۃ النشر وغیرہ کتابیں پڑھیں، روایتِ حفص میں پورا قرآن سنایا، اور اجرائے قراءاتِ سبعہ اور عشرہ کی تکمیل بھی حضرت ہی کے حضور ہوئی۔ یہ آپ کے وہ استاذِ محترم ہیں جن کی خدمت میں رہ کر آپ نے بہت کچھ سیکھا، آپ کی شخصیت وکردار سازی میں حضرت کا بڑا ہاتھ رہا، قدم قدم پر حضرت نے رہنمائی فرمائی، آپ کیا ملے کہ دلِ بے قرار کو قرار آ گیا:

چرخِ دل کا ماہِ ''کامل'' مل گیا	آخرش وہ ماہِ ''کامل'' مل گیا

آپ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جی جان سے حضرت کے قدموں پر نثار ہو گئے، تجوید وقراءت کی خار دار وادیوں کا سفر آپ ہی کی رہنمائی میں طے ہوا:

فاصلوں کے اِس دشت میں رہبر وہی بنے
جس کی نگاہ دیکھ لے صدیوں کے پار بھی

سچی بات تو یہ ہے کہ قاری محمد کامل صاحب ہی کی نظرِ فیض اثر کا نتیجہ وثمرہ ہے کہ آج آپ فنِ تجوید وقرات میں مسندِ کمال پر فائز ہیں۔

زمانۂ طالب علمی کی جھلکیاں

آپ دورانِ تعلیم حسنِ کردار میں ہم درس رفقا سے ہمیشہ ممتاز رہے، کتابوں کا مطالعہ، تکرار و مذاکرے کا اہتمام، درس کی پابندی، اساتذہ کا ادب واحترام، فضول گپ شپ اور بیہودہ گوئی سے احتراز وغیرہ امور کی وجہ سے طلبہ میں آپ کا وقار ممتاز مقام رہا، تنازعات کے کانٹوں سے ہمیشہ اپنے دامن کو بچائے رکھا، اساتذہ کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لیں، اردو انجمن کی زمامِ قیادت بھی آپ کے حصہ میں آئی، پورے زمانۂ طالب علمی میں دفترِ اہتمام یا کسی استاذ کو شکایت کا موقع نہیں دیا، رات دیر گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتے، پھر پورے شوق و رغبت کے ساتھ مشق فرماتے، اوقات کو فضول ضائع کرنے کے بجائے ہمیشہ تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ ہی میں مشغول رہتے، آدابِ سحر خیزی کے عاشقِ زار اور جنون کی حد تک سنتوں سے پیار تھا، غرض یہ کہ آپ کی حیاتِ مستعار کا ہر ہر لمحہ ایک سچے عاشقِ رسول اور حقیقی طالبِ علم کی زندگی کا کامل نمونہ تھا۔

تدریسی زندگی کا آغاز

ہندوستان کا ایک اہم صوبہ گجرات ہے، اسی گجرات کی سرزمین پر ایک چھوٹے سے گاؤں ڈابھیل میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے نام سے ایک عظیم

ادارہ قائم ہے، جس کی خدمات کا دائرہ اتنا ہی پھیلا ہوا ہے جتنی یہ ارض گیتی۔ ایک صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے، یومِ تاسیس سے لے کر اب تک مادیت ونفسانیت، ظلم وبربریت، خیانت ونفس پروری کی تاریکیوں میں علم وعمل، تقوی ودیانت، اخلاص وللہیت، عزم وتوکل اور ایمان ویقین کے پھریرے لہرا رہا ہے، جس کی عظمت وشرافت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اسے ''ازہرِ ثالث'' اور ''دارالعلوم ثانی'' کے تمغۂ امتیاز سے نوازا گیا۔

جامعہ نے جب اپنا سفر شروع کیا، اسی وقت سے یہاں تجوید کی خاص اہمیت رہی ہے، کہا جاسکتا ہے کہ جتنی عمر جامعہ کی ہے، اتنی ہی بہاریں شعبۂ تجوید بھی دیکھ چکا ہے۔ (دیکھیے تاریخ جامعہ، ص: ۲۲)

پوری ایک صدی میں جامعہ پر گرم وسرد حالات آتے رہے، مصائب وآلام کا سامنا ہوتا رہا، مشکلات کی یم بہ یم طوفانی موجوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا، مخلص منتظمین اس کشتی کو ساحلِ مقصود تک پہنچانے کی سعی کرتے رہے۔ بھنور میں پھنسی کشتی کو نکالنے والے ملاحوں میں اولوالعزمی وجفاکشی میں بے مثال اور باریک بینی ودوراندیشی میں مشہور حضرت اقدس مولانا محمد سعید صاحب بزرگ سملکیؒ کا نامِ نامی ضرور آئے گا۔

۱۳۹۳ھ ماہِ ذی الحجہ کا زمانہ ہے، مشہور وممتاز ماہرِ فن حضرت مولانا قاری محمد عباس صاحب دھرمپوریؒ جامعہ کے شعبۂ تجوید سے الگ ہوکر دارالعلوم فلاحِ

دارین ترکیسر سے وابستہ ہو گئے، اُس وقت جامعہ کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ مدظلہ العالی کے والدِ گرامی حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ سملکیؒ مسندِ اہتمام پر رونق افروز تھے۔ آپ کو شعبۂ تجوید سے خاصی دلچسپی تھی، عقابی نگاہوں نے کسی ماہرِ فن کی تلاش میں ملک کے گوشے گوشے کو چھاننا شروع کیا، اتفاق سے حضرت قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی پر نظر پڑی، ان سے خط و کتابت ہوئی، انھوں نے اپنے استاذِ محترم قاری محمد کامل صاحب کا حوالہ دیا، جو اُس وقت جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں ''صدرالقراء'' کے منصب پر فائز تھے۔ مہتمم صاحب نے قاری محمد کامل صاحب کو جامعہ میں تشریف آوری کی دعوت دی، انھوں نے جواب میں لکھا کہ: اب تو میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اس پیرانہ سالی میں دور دراز کے اسفار کا متحمل نہیں؛ البتہ میرا ایک جواں سال شاگرد ہے، آپ چاہیں تو اسے رکھ لیجیے۔ خط میں استاذ صاحب نے شاگرد کی بابت تعریفی و توصیفی کلمات بھی رقم فرمائے تھے، مہتمم صاحب نے وہ خط بعینہ اپنی نجی تحریر کے ساتھ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی – جو اس وقت شاہی میں استاذِ حدیث تھے – کی خدمت میں روانہ کیا، حضرت مولانا ارشد صاحب مدظلہ العالی نے اس کی پر زور تائید کی، مشفق اساتذہ (قاری محمد کامل صاحبؒ اور مولانا ارشد صاحب مدنی مدظلہ) نے چہیتے شاگرد کو بلا کر آگے کا پروگرام دریافت کیا، آپ نے مزید حصولِ تعلیم کے لیے دارالعلوم جانے کا ارادہ ظاہر کیا، ارشاد ہوا: تدریسی زندگی کی بابت

فرمایئے؟ آپ نے بہار کے کسی مدرسہ کا نام لیا، ارشاد ہوا: گجرات میں ڈابھیل کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ عرض کیا: حضرت! شرحِ صدر نہیں ہوتا، بعدِ مسافت کا عذر بھی پیش کیا، امر ہوا کہ: ڈابھیل ہی جانا ہے، گھر سے چند کوس کی مسافت ہو یا سینکڑوں میل کی مسافت، فاصلہ تو دونوں میں ہے۔ تعمیلِ حکم میں سر جھک گیا اور اِس جھکنے نے ہمیشہ کے لیے سر بلند کر دیا۔ مہتمم صاحب نے تقرر کا پروانہ مرادآباد روانہ کر دیا۔ یہ واضح رہے کہ جس وقت تقرر نامہ مرادآباد پہنچا، حضرت قاری صاحب دورۂ حدیث میں زیرِ تعلیم تھے۔

جامعہ میں ورودِ بامسعود

اگرچہ آپ کا ارادہ شاہی سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ صافی سے مزید سیراب ہونے کا تھا؛ مگر آپ کے اساتذہ کی بصیرت و بصارت دیکھ رہی تھیں کہ اب اس بادل کے برسنے کا وقت آ گیا ہے؛ چناں چہ بہار کی دور افتادہ سرزمین سے یہ بادل ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا ڈابھیل آ کر برسا اور موسلا دھار برسا، آج بھی برس رہا ہے، خدا کرے ہمیشہ برستا رہے، آمین۔

حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ کی پرخلوص دعوت پر حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی اور قاری محمد کامل صاحبؒ کے حکم سے ۱۱؍شوال ۱۳۹۴ھ میں اس جواں سال فاضل کی جامعہ ڈابھیل میں آمد ہوئی۔ سن وسال اور ماہ وایام کی پیہم جفاکشی اور مسلسل قربانی کے بعد عہدِ شباب کا یہ دمکتا ہوا پیکر آج

جامعہ کی مقدس ترین ہستیوں میں شامل اور اس کا قابلِ صد فخر سرمایہ ہے۔

حضرت قاری صاحب کی آمد اور سرزمینِ گجرات پر قراءات سبعہ وعشرہ کا افتتاح

آپ کے ورودِ بامسعود سے قبل جامعہ میں روایتِ حفص عن عاصم تک کی تعلیم تھی، قراءاتِ سبعہ وعشرہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا، صرف حضرت قاری یامین صاحب کے پاس ایک طالب علم کے سبعہ عشرہ پڑھنے کی روایت ہے، رات کو مشق کا کوئی باضابطہ انتظام تھا نہ تجوید کی موجودہ رونق۔ آپ نے آنے کے بعد پہلے ہی سال خارج میں سبعہ عشرہ کی تعلیم شروع کر دی، بہت جلد افراد تیار کر کے حضرت مہتمم صاحب کے حضور پیش کر دیے، حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ سملکیؒ تو علم دوست وعلما پرور تھے، وہ تو پتھروں کو تراش کر ہیرا بناتے تھے، پھر یہ جوہرِ گرانمایہ کیوں کر ضائع ہونے دیتے، چوتھے سال درخواست منظور کر کے باقاعدہ سبعہ و عشرہ کی تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی، یعنی ۹۸سنہ۱۳ھ میں مدرسہ کے نظام کے تحت اس کا افتتاح ہوا، وہ دن ہے اور آج کا دن ہر سال دسیوں طلبا آپ کی شفقتوں کے زیرِ سایہ سبعہ وعشرہ کی تکمیل کر کے اس کی رونق میں اضافہ کر رہے ہیں۔

اس تاریخی موقع کا تذکرہ ''تاریخِ جامعہ'' میں یوں ہے: روایتِ حفص کی تجوید کا سلسلہ جامعہ میں قائم ہی تھا، جس کے لیے تین اساتذہ کام کرتے ہیں، اس سال سے قراءاتِ سبعہ کا سلسلہ بھی شروع ہوا، اس شعبہ کے اندر بھی دوسرے

اداروں کے فضلا حصہ لے سکتے ہیں، ان کے قیام وطعام کا جامعہ ذمہ دار ہوگا۔
قراءاتِ سبعہ ایک مستقل فن ہے جس میں سینکڑوں کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، اِس سے عام طور پر بے اعتنائی برتی جاتی ہے، اِس فنِ شریف کی تعلیم شاید جامعہ کے ابتدائی دور میں ہوتی رہی ہو؛ لیکن برسوں سے اس کا سلسلہ منقطع تھا؛ حالاں کہ یہ بھی ایک ضروری علم ہے، اس سے ناواقفیت کی وجہ سے انکار تک کر دیا جاتا ہے، ضرورت تھی کہ اس فن کی نشأۃِ ثانیہ ہو، بحمدہٖ تعالیٰ جامعہ نے قرآنِ پاک کی اس خدمت میں بھی پیش قدمی کی، اللہ تعالیٰ اس شعبے کو خوب ترقی عطا فرمائے؛ تاکہ قرآنِ کریم کی اشاعت ہو۔ (تاریخِ جامعہ، ص:۱۹۶)

مؤرخِ جامعہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم (سابق استاذ جامعہ ہٰذا وحال شیخ الحدیث آزادوِل جنوبی افریقہ) نے ماحول کی بالکل صحیح عکاسی فرمائی ہے کہ ''اس سے ناواقفیت کی وجہ سے انکار تک کر دیا جاتا ہے''۔ خود حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کو اس کا تجربہ ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود صاحبؒ جامعہ میں تشریف لائے، اس وقت آپ نے جلسہ میں ''ورش'' کی روایت میں قرآن پڑھ کر سنایا، حسنِ ادا، مخارج کی صحت، آواز کی نغمگی، لہجے کا زیر و بم اور پھر روایت میں پڑھی گئی قراءت نے حاضرین کو گنگ کر دیا، بعض ناواقف عوام الناس نے تو غلطی پر محمول کر لینے میں دیر نہ کی؛ مگر شیخ الازہر بہت متأثر ہوئے اور آپ کو بلا کر مصافحہ و معانقہ کیا اور کلماتِ تحسین سے نوازا۔

دوسرا واقعہ راقم نے خود حضرت سے سنا کہ میرے آنے کے دوسرے یا تیسرے سال ترکیسر جانا ہوا، وہاں باصرار مجھ سے تلاوت کروائی گئی، میں نے مختلف روایات میں قراءت کی، واقف کار اہلِ علم کا مجمع جھوم اٹھا، حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیویؒ وجد میں آ گئے، اٹھ کر گلے لگایا اور فرمانے لگے: ماشاء اللہ! اب تو ایسا پڑھنے والے خال خال بھی نہیں ملتے۔ اسی موقع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ایک مرتبہ قاری محمد صدیق صاحب سانسرودوی مدظلہ العالی (صدر قاری فلاحِ دارین ترکیسر) نے مجھ سے تفریحاً کہا کہ: حضرت! ہم طلبہ تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ کیا غلط سلط پڑھ رہے ہیں۔ راقم نے پوچھا کہ: کیا اُس وقت تک صدر القراء حضرت اقدس قاری انیس احمد صاحبؒ کی وہاں تشریف آوری نہیں ہوئی تھی؟ فرمایا: نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ پورے گجرات میں اُس وقت تجوید وقراءت کے دو اہم مرکز تھے، ایک جامعہ ڈابھیل اور دوسرا فلاحِ دارین ترکیسر۔ ترکیسر کو اپنے خونِ جگر سے سیراب کرنے والے جامعہ ڈابھیل کے مایۂ ناز فاضل مفکرِ ملّت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم (فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) نے اپنی مادرِ علمی میں اس فن کو فروغ پاتے دیکھا تو نہایت تگ ودَو اور دوڑ دھوپ کے بعد ماہرِ فن حضرت قاری انیس احمد صاحب فیض آبادیؒ کو ترکیسر لے آئے، گویا جو فکر مہتممِ جامعہ مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ کی تھی وہی جامعہ کے ایک فاضل میں

پیدا ہوئی اور یوں اللہ کے فضل وکرم سے جامعہ کے چراغ سے سینکڑوں چراغ جلتے گئے۔ بات فخر وتکبر کی نہیں؛ بلکہ سعادت وخوش نصیبی کی ہے کہ سرزمینِ گجرات میں تجوید وقراءات کی نشأۃِ ثانیہ کا کام خدائے بزرگ وبرتر نے جامعہ اور ابنائے جامعہ سے لیا، سچی بات یہ ہے کہ اس میں کسی کا کوئی کمال نہیں، صرف اور صرف اُسی ربِ کریم کا کرمِ بے پایاں اور فضلِ بے کراں ہے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست	۞	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جشنِ تکمیلِ سبعہ

قراءاتِ سبعہ کے افتتاح کے دوسرے سال ۱۳۹۹ھ میں نو طلبہ نے قراءاتِ سبعہ کی تکمیل کی اور اسی سال ایک مسابقہ بھی منعقد ہوا، جس میں آپ کے استاذ شیخ القراء حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ نے مسندِ صدارت کو رونق بخشی۔

''تاریخِ جامعہ'' میں ۱۳۹۹ھ کی روئیداد کے حوالہ سے مذکور ہے:

''قراءتِ سبعہ کی تعلیم سالِ گذشتہ سے شروع ہو چکی ہے، امسال نو طلبہ نے اس کی تکمیل کی، جامعہ کے شعبۂ تجوید کے صدر جناب قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری کے استاذ جناب قاری محمد کامل صاحب کو اس موقع پر خصوصی دعوت دی گئی تھی، طلبہ کی رغبت میں اضافہ کرنے کے لیے جامعہ کے طلبہ کا ایک انعامی مقابلہ بھی رکھا گیا تھا، جس میں متعدد طلبہ نے دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا تھا اور بڑا کامیاب رہا، اللہ تعالی اپنے کلامِ پاک کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس فن کو مرکزِ توجہ

بنادے۔(تاریخ جامعہ،ص:۱۹۹)

اس موقع پر قاری محمد کامل صاحب نے جو تأثرات رجسٹرِ معاینہ میں تحریر فرمائے، وہ ایک استاذ کی طرف سے اپنے چہیتے شاگرد کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا منہ بولتا ثبوت ہے، ذیل میں ہم اس کا ایک اہم حصے قارئین کی نذر کرتے ہیں:

''مجھے ختمِ سبعہ کی طلبہ کی مسجد میں اور درجۂ قراءت وتجوید کے طلبہ کے مسابقۂ قراءت میں بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، اور یہ دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ اس شعبہ نے اپنے قابل معزز استاذ عزیزم مولانا قاری احمد اللہ صاحب کی محنت اور جدوجہد سے حیرت انگیز ترقی کی ہے''۔(تاریخِ جامعہ:۲۰۱)

امامت وخطابت کے فرائض

حضرت قاری صاحب کو ابتدائی زمانہ سے امامت کی خوب مشق رہی ہے، زمانۂ طالبِ علمی میں مرادآباد کی ''حوض والی مسجد'' اور دیوبند میں ''مدنی مسجد'' کے مستقل امام رہ چکے تھے، آپ کے یہاں آتے ہی متعدد مساجد سے امامت وخطابت کی دعوتیں موصول ہوئیں، حضرت مہتمم صاحبؒ نے آپ کو یاد فرمایا کہ فلاں فلاں مسجد کے علاوہ آپ جامعہ میں بھی امامت وخطابت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ: حضرت کے علاوہ یہاں میرا کوئی ہمدرد نہیں، آپ ہی بتلایئے، میں کیا کروں؟ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ: آپ جامعہ میں نماز پڑھاؤ؛ کیوں کہ دوسری مساجد میں آپ کو پابندی کرنی پڑے گی،

جب کہ جامعہ میں آپ آزاد ہیں، جب جہاں جانا چاہیں جائیے، کوئی آپ کو کچھ نہ کہے گا۔ آپ نے جامعہ میں تقریباً دس سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیے، واقعہ یہ ہے کہ اس دوران آپ کو جب کہیں جانا ہوتا چلے جاتے؛ مگر کسی نے آپ کو کبھی ٹوکا نہیں۔ یہ تو ظرف کی بات ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے لیے رختِ سفر

۱۴۰۳ھ میں ہنگامی صورتِ حال کے باعث (جس کا ذکر استاذِ محترم ''مؤرخِ جامعہ'' حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ العالی کے مقالے بہ نام ''جامعہ ڈابھیل اور فنِ تجوید، خدمات اور قراء کا تعارف'' میں ہے) آپ ایک سال کی رخصت پر دارالعلوم تشریف لے گئے۔ ''تاریخِ جامعہ'' میں ص: ۲۱۸ پر ہے: ''قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری صدر شعبۂ تجوید ۱۴۰۲ھ کے اخیر میں جامعہ سے الگ ہو کر دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہو گئے تھے؛ لیکن پھر شوال ۱۴۰۳ھ میں جامعہ واپس آ گئے''(۱)۔

دارالعلوم میں آپ کے تلامذہ

قیامِ دارالعلوم کے زمانہ میں ڈابھیل کے چند طلبہ حضرت کی ذاتِ بابرکت

(۱) حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کے معتمدِ خاص حضرت قاری محمد رضوان صاحب پالنپوری مدظلہ کا بیان ہے کہ ڈابھیل سے علاحدگی نہیں ہوئی تھی؛ بلکہ ایک سال کی رخصت پر تشریف لے گئے تھے۔ نیز ''جامعہ ڈابھیل اور فنِ تجوید'' میں بھی یہی لکھا گیا ہے۔

سے فیض اٹھانے کے لیے دار العلوم پہنچے اور اس عرصہ میں روایتِ حفص کی تکمیل کی، ان کے اسمائے گرامی درجِ ذیل ہیں: (۱) قاری اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلی [مہتمم جامعۃ القراءات کفلیتہ] (۲) قاری حنیف صاحب نرولوی [حال مقیم باٹلی، برطانیہ] (۳) قاری اسماعیل چھوٹا سملکی [حال مقیم ساؤتھ افریقہ] (۴) قاری الیاس لوہاروی [حال مقیم ساؤتھ افریقہ] (۵) قاری سلیمان صاحب عمرواڑی ضلع بھروچ [حال مقیم ری یونین]۔ اس کے علاوہ قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری [استاذِ تجوید ام المدارس دار العلوم دیوبند] نے بھی روایتِ حفص کی تکمیل کا شرف حاصل کیا، نیز حضرت فدائے ملتؒ نے اپنے صاحبزادے جناب مولانا محمود مدنی صاحب دامت برکاتہم [صدر جمعیۃِ علمائے ہند] کو بھی استفادے کا امر فرمایا چناں چہ مولانا نے بھی آپ کو پورا قرآن کریم بروایتِ حفص سنایا۔

چوں کہ دستِ قضا وقدر نے آپ کو جامعہ کے ماتھے کا جھومر بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا، اس لیے ایک سال کے بعد دوبارہ آپ جامعہ میں تشریف لے آئے۔

واپسی اور محرک واسباب

(۱) جامعہ کی نشأۃ ثانیہ کے علم بردار و دور اندیش مہتمم صاحبؒ نے آپ کے استعفا کو منظوری نہیں دی تھی، اور اس استعفا کو مصلحتاً شوری کے ذریعہ ایک سال کی رخصت سے بدل دیا تھا۔

(۲) آپ نے اپنے تئیں دار العلوم جانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، دیوبند

حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی سے مشورہ کے لیے تشریف لے گئے تھے؛ مگر وہاں حضرت فدائے ملتؒ نے سب کچھ آناً فاناً طے کر دیا، تب مجبوراً اپنے اساتذہ کے اصرار اور ان کے احترام کی خاطر ایک سال قیام فرمالیا۔

(۳) آپ کے قیامِ دار العلوم کے زمانہ میں جامعہ، شیخ الحدیث کی جستجو میں مصروف تھا، مہتمم صاحب کا ذوقِ جستجو شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوریؒ کی شکل میں کامیابی سے ہمکنار ہوا، حضرت کو لینے کے لیے جامعہ کا وفد سرزمینِ بہار پہنچا، حسنِ اتفاق یہ ہوا کہ حضرت قاری صاحب بھی اُس زمانے میں اپنے آبائی وطن تشریف فرما تھے، وفد نے آپ سے ملاقات کر کے واپسی کے سارے مراحل وہیں روبرو طے کر دیے۔

(۴) خود اِس قسم کے ارشادات حضرت سے سننے میں آئے کہ دار العلوم ایک عظیم ادارہ ہے، اس کا ایک مستقل نظام ہے، اس نظام کے تحت رہ کر آزادی سے کام کرنا دشوار تھا اور رکاوٹوں کا اندیشہ تھا، جب کہ جامعہ میں قدر دان مہتمم صاحبؒ نے آپ کو کھلی آزادی دے رکھی تھی، طالبِ علم کے داخلہ سے فراغت تک کے سارے اختیارات آپ کو سونپ رکھے تھے، کس کو لینا ہے، کیا پڑھانا ہے، کب اور کہاں پڑھانا ہے؛ یہاں تک کہ شعبۂ تجوید میں کس مدرس کو رکھا جائے، سب کچھ آپ کے سپرد تھا۔ (اور بحمد اللہ آج بھی یہ روایت باقی ہے۔)

(۵) نیز جامعہ میں آپ کو آپ کے باکمال استاذ قاری محمد کامل صاحبؒ

اورحضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی نے اس فنِ شریف کی آبیاری کے لیے بھیجا تھا، اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ واپس تشریف لے آتے۔

(۶) بعض ایسے مبشرات بھی تھے جن کی وجہ سے کوئی نادیدہ مقناطیسی کشش آپ کے دل کو جامعہ کی طرف کھینچ رہی تھی۔ ''مرتبِ نقوش بزرگاں'' اپنے وقیع حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے ہنگامہ کے بعد اساتذہ کی تعداد گھٹ گئی، قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ العالی اُس زمانہ میں ڈابھیل میں مقیم تھے، آپ کو دارالعلوم دیوبند کے لیے بحیثیت ''صدرالقراء'' مدعو کیا گیا تھا، اپنے اساتذہ کے مشورہ کے بعد بلکہ بعض اساتذہ کے اصرار پر لبیک کہہ دی۔ جامعہ ڈابھیل کے مہتمم صاحب آپ کو چھوڑنے کے لیے کسی بھی قیمت پر راضی نہ تھے، قاری صاحب ماہِ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم تشریف لے گئے، پھر تقریباً ایک سال بعد دوبارہ جامعہ ڈابھیل تشریف لے آئے، دارالعلوم سے ڈابھیل آمد کے محرکات میں بعض مبشرات بھی کارفرما ہیں۔ (از حاشیہ نقوشِ بزرگاں: ۲/ ۴۰۴)

ایک مبارک خواب اور اس کی تعبیرات

جب مبشرات کا ذکر آ ہی گیا ہے تو بطور نمونہ ''مشتے از خروارے'' ایک خواب پیش کیا جاتا ہے:

دارالعلوم کوچ کر جانے سے پہلے کا ذکر ہے کہ ایک رات لندن کے رہنے والے ایک طالب علم نے خواب دیکھا کہ آپ دارالقرآن کی بالائی منزل کے

داہنے گوشے میں بیٹھے ایک طالبِ علم کی قراءت سماعت فرما رہے ہیں، ایک دوسرا طالبِ علم آکر آپ کی مسند صاف کرنے لگا، آپ نے یا سنانے والے طالبِ علم نے اس کی وجہ دریافت کی تو اُس طالبِ علم نے جواباً کہا: ''حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں''۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رسالت مآب ﷺ تشریف لے آئے، حضرت قاری صاحب کو مصافحہ و معانقہ کے شرفِ عظیم سے نوازا، پھر سرکار ﷺ مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے (خواب پورا ہوا۔)

اس خواب کی تعبیر آپ نے اپنے متعدد بزرگوں سے دریافت کی، سبھی نے اطمینان بخش وحوصلہ افزا تعبیرات بیان کیں۔ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ (شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل) نے تعبیر بتلائی: ''رسول اللہ ﷺ آپ کی تعلیم سے خوش ہیں''۔ فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا: ''اچھا خواب ہے، ماشاء اللہ۔ اور آیتِ کریمہ: وإذا تليت عليهم اٰياته زادتهم إيمانًا إلخ تلاوت فرمائی''۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے فرمایا: ''تمہاری جگہ مستقل ہے''۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری نور اللہ مرقدہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل) نے عجیب تعبیر ارشاد فرمائی: ''اس میں آپ کی ترقی کی دلیل ہے، اصول یہ ہے کہ چھوٹے کی جگہ پر کسی بڑے کا بیٹھنا چھوٹے کی ترقی کا ذریعہ ہے''۔

الغرض! آپ کی واپسی کے جو بھی اسباب رہے ہوں، اس سے کون انکار

کرسکتا ہے کہ اس عظیم شخصیت کی خدمت اور اس کے گراں قدر سرمائے سے استفادہ، جریدۂ تقدیر میں بالعموم باشندگانِ گجرات اور بالخصوص اہالیانِ جامعہ کے لیے لکھا جاچکا تھا اور جریدۂ تقدیر میں ثبت نقشِ دوام کو کون مٹا سکتا ہے!! ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء.

دیگر مدارس سے پیشکش

جب بات تدریس کی نکل ہی آئی تو یہ واضح کردینا بھی مناسب ہے کہ دارالعلوم کے علاوہ شاہی مرادآباد اور آزادوِل جنوبی افریقہ سے بھی حضرت کو تدریس کے لیے بلایا گیا تھا۔ نیز دارالعلوم تشریف لے جاتے وقت مفکّرِ ملّت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم (فاضل جامعہ ڈابھیل) نے کہا تھا کہ: اگر کسی وجہ سے دارالعلوم میں جی نہ لگے تو ترکیسر کو اپنا مدرسہ سمجھیے۔

احاطۂ جامعہ میں بیتے ہوئے شب وروز

جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے کہ آپ کی آمد سے قبل یہاں تجوید وقراءت کا وہ کام نہیں ہوا تھا جو آج ہو رہا ہے، مشق کا صحیح انتظام تھا نہ مسابقے کا ذکر، سبعہ عشرہ کا وجود تھا نہ انجمن کا نشان۔ آپ نے آکر سارا نظام بدل دیا اور تنِ مردہ میں نئی روح پھونک دی۔

بڑی مدت میں بھیجتا ہے ساقی ایسا مستانہ
جو بدل دیتا ہے بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

تجوید وقراءت کی نشر واشاعت اور فروغ کے لیے سکون وعافیت، صحت وتوانائی، رعنائیٔ شباب، عزم وہمت، خونِ جگر، عقل وفکر، سبھی کچھ آپ نے بے دریغ قربان کردیا، شب وروز کی بے پناہ محنتوں سے اس کے گیسوئے برہم کو سنوارا، قلب وجگر کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ کر رکھ دیا؛ یہاں تک کہ جب برادرِ حقیقی اور بعض دیگر اعزہ کی وفات ہوگئی تو محض طلبہ کا خیال کر کے تجہیز وتدفین کے فرائض دوسروں کو سونپ کر تشریف لے آئے، آپ کے اس بے مثال اقدام سے اسلاف کی یاد تازہ ہوگئی، غرض اس بابت جو کچھ ہوسکتا تھا سب کر گذرے، جو کچھ قربان کیا جاسکتا تھا، سب کچھ اس پر نچھاور کر گئے۔

معمولاتِ یومیہ

ذرا آپ کے عہدِ شباب کے معمولات ملاحظہ فرمایئے، بے ساختہ ''فنا فی التجوید والقراءات'' کا لقب دینے کو جی چاہتا ہے: آپ زمانۂ طالب علمی ہی سے صبح سویرے اٹھنے کے عادی تھے، جامعہ میں آمد کے بعد بھی اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، تہجد کے وقت جب ساری مخلوق نیند کی آغوش میں گم ہوتی ہے، اٹھ کر نالۂ نیم شبی کی مشغولی کے بعد اجرائے قراءات سبعہ وثلاثہ سماعت فرماتے، فجر کے بعد چہل قدمی کے دوران بھی تلاوتِ قرآن کی نغمہ گیر آواز سے لطف اندوز ہوتے، پھر صبح چار گھنٹے کی مسلسل مشغولی کے بعد ظہرانہ تناول فرماتے ہوئے بھی یہ عزیز از جان مشغلہ جاری رہتا، کچھ دیر قیلولہ کر کے ظہر کے بعد متصلاً حجرۂ مبارکہ

میں کوئی نہ کوئی طالب علم حدر سنانے کے لیے پہنچ جاتا، پھر دو گھنٹہ تک درسگاہ میں جلوہ نماز رہتے، پھر بعد العصر متصلاً اجرائے سبعہ وثلاثہ کی مجلس میں رونق افروز ہوتے، عشائیہ کے دوران بھی سننا سنانا جاری رہتا، ابتدائی زمانے میں شب میں لائٹ کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے فانوس لے کر آتے، اور دیر گئے تک اس کی مدھم روشنی میں قلب وجگر کے جلانے کا سلسلہ جاری رہتا، جمعہ کے مبارک دن میں بھی تعلیم وتعلم کا معمول برسہا برس جاری رہا۔

بہ وقتِ تہجد تعلیم کی برکات

راقم الحروف نے ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا کہ: حضرت سحر میں پڑھانے کا خاص مقصد کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ایک تو یہ کہ طالبانِ علومِ نبویہ کم ازکم دو رکعت پڑھ کر اللہ رب العزت کے سامنے جھولی پھیلائے، اور یہ ان کی زندگی کا دائمی معمول بن جائے، اس سے علم وعمل میں برکت ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ جب ہم سو کر اٹھیں تو ہمارے دن کا آغاز قرآنِ کریم کی مبارک تلاوت سے ہو۔ تیسرا یہ کہ بہت سے اسلاف واکابرین کا اس وقت میں پڑھانے کا معمول رہا ہے، اس وقت میں برکت ہوتی ہے اور دوسرے اوقات کے مقابلہ میں نشاط بھی زیادہ ہوتا ہے۔

پچھلے چند سالوں سے امراض کے پیہم حملے، دن بدن رو بہ زوال صحت، بڑھتا ہوا ضعف، پیرانہ سالی، اور تصنیف وتالیف کی مصروفیات کے باعث اب

مذکورہ بالا معمول بجنسہٖ باقی نہیں رہا ہے؛ ورنہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے کڑاکے کا جاڑا ہو یا جھلسا دینے والی گرمی، طبیعت میں انقباض ہو یا بسط، صبح کے نشاط انگیز جھونکے ہوں یا نصف النہار کی گرم ہوا، موسلا دھار طوفانی بارش ہو یا ننھے خوشگوار قطرے، نشاط بخش موسم ہو یا بے کیف فضا؛ غرض کوئی بھی حالت ہو، مجال ہے کہ اس نظام الاوقات میں سرِ مو فرق آیا ہو، اہلِ نظر نے اسی استقامت کو ''فوق الکرامت'' سے تعبیر کیا ہے۔

مکتبِ عشق کے انداز

حضرت پر ہمیشہ یہ فکر سوار رہتی ہے کہ کس طرح فن کی خدمت کی جائے، اسی لیے آپ کا دائمی معمول رہا ہے کہ آپ عشرہ پڑھنے والے طلبہ کو سالانہ تعطیلات میں اپنے وطن بلا کر کتابیں پڑھاتے ہیں، بعض ممتاز شاگردوں سے تراویح میں قراءاتِ سبعہ میں سے کسی ایک روایت کے خاص طریق میں پورا قرآنِ کریم سنتے ہیں، اوراس طرح تعطیلات میں بھی تجوید کا یہ دیوانہ اورقرآن کا عاشقِ صادق بادیہ پیمائی سے باز نہیں آتا:

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے	اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اگر ان میں کوئی نادار طالبِ علم ہو تو اپنے ذاتی خرچ سے اس کی آمد ورفت کا انتظام فرماتے ہیں، ہر طالبِ علم کے قیام وطعام کے اخراجات بھی اپنی جیبِ خاص سے عطا فرماتے ہیں اور روانگی کے وقت تحفے تحائف سے بھی نوازتے

ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مشہور قاری حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلندشہری مدظلہ العالی نے انہیں ایام میں حضرت کے پاس سبعہ وعشرۂ کبیر کی تکمیل فرمائی ہے۔

ایک نئی فکر

عورتوں میں تجوید وقراءت کی اشاعت

تقریباً چار دہائیوں سے اس فنِ شریف کے تشنہ لبوں کی سیرابی کا سامان فراہم کرنے کے بعد اب آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس فن کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کے لیے طالبات کو اس سے روشناس کرانا ضروری ہے؛ کیوں کہ ماں کی آغوش بچہ کی سب سے پہلی درسگاہ ہے، یہاں اگر صحت کے ساتھ پڑھنے کا ذہن بنالیا گیا تو بعد کے مراحل بہت آسانی کے ساتھ طے کیے جاسکتے ہیں اور اگر یہاں از حد غفلت برتی گئی تو پھر دشواریوں کا آنا طے ہے:

وقت پر کافی ہے قطرہ صبحِ خوش ہنگام کا	۞	کھیت سارا جل گیا، برسا، تو پھر کس کام کا!

پچھلے کچھ عرصہ سے آپ پر ''تجوید برائے نسواں'' کی فکر بڑی شدت سے سوار ہے اور کیوں نہ ہو کہ ''ورتل القرآن ترتیلاً'' کا حکم مردوں کے ساتھ عورتوں کے لیے بھی تو ہے، باقاعدہ آپ نے اس کا نظم بنایا ہے، ہر طرح کی قربانیاں دے رہے ہیں، اور ایک جماعت بنانے کی فکر میں ہیں، جو آگے اس چراغ کو جلائے رکھے۔ صبح کی چھٹی کے بعد کھانا تناول فرمانے سے پہلے؛ اور بعد العصر ''اجرائے سبعہ'' سے فراغت کے بعد گاؤں میں آپ کے سفر وحضر کے خادمِ

خاص وتلمیذِ رشید جناب قاری اسحٰق صاحب بھڑکودروی سلمہ کے گھر پر بنفسِ نفیس تشریف لے جاکر شرعی حدود کی سخت رعایت کرتے ہوئے طالبات کو پڑھاتے اور سنتے ہیں، خوش آئند بات یہ ہے کہ روایتِ حفص کی تکمیل کے بعد سبعہ کا بھی آغاز ہوچکا ہے، طالبات کی آسانی کے لیے مستقل کتابیں بھی تصنیف فرما رکھی ہیں، خدا کرے کہ جلد از جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آجائیں، اور یہ فنِ شریف عورتوں میں بھی زندہ ہوجائے آمین۔

لجنۃ القراء ایک سدابہار تحریک

حضرت قاری صاحب کے سوانحی نقوش اور خاکے مرتب کیے جائیں اور اس میں لجنہ کا ذکر نہ ہو تو وہ نقوش اور خاکے ادھورے ہیں۔ لجنۃ کو صرف ایک ''رسمی انجمن'' قرار دینا اس کے نمایاں کارناموں کا مذاق ہے، یہ انجمن نہیں؛ ایک سدا بہار تحریک ہے۔ جامعہ میں تجوید وقراءت کے ننھے سے پودے کو سایہ دار، گھنے اور قدآور درخت تک کا سفر طے کرانے میں لجنۃ القراء کا سنہرا کردار ہے، جامعہ میں تیار ہونے والا ہر فرد اس کا رہینِ منت ہے۔

لجنۃ کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ محرک کیا تھا؟ کن راہوں سے گذر کر پروان چڑھی؟ راستے کے نشیب وفراز اور پے در پے رکاوٹوں سے اس کی برق رفتاری میں کبھی فرق آیا؟ اس کے اہداف ومقاصد کیا ہیں؟ اس کے بال و پر کس قدر پھیلے ہوئے ہیں؟ اس کے ماتحت کون کون سے شعبے ہیں؟ یہ ایک طویل داستان

ہے۔ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

سرِ دست اس کی کچھ جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

حضرت قاری احمد اللہ صاحب قاسمی اور لجنۃ القراء کی تخم ریزی و بادِ بہاری

رجالِ کار کی فراہمی اور افراد سازی میں انجمنوں کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کسی پر مخفی نہیں، پھر اگر کسی انجمن کو صحیح، دردمندِ قوم وملت اور موقع شناس شخصیت کی رہنمائی اور آہِ سحر گاہی کا سہارا بھی مل جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ خود وہ انجمن اور اس انجمن سے متعلقہ افراد نشانِ منزل کی تلاش میں لگ کر لیلائے مقصود سے بغل گیر نہ ہوسکیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی انجمن کی کامیابی کے لیے اس کے نگران ومربی کا محض ٹھوس علمی استعداد اور کمالِ تقوی وطہارت سے مزین ہونا کافی نہیں (اگر چہ یہی اصل الاصول ہے) بلکہ ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں غیر معمولی خلوص، مزاج شناسی کا ملکہ اور نفع رسانی میں فنائیت کے ساتھ ساتھ مخاطب کے دل پر اپنے قلبی احساسات وجذبات نقش کردینے کے مسحور کن انداز کا بھی مالک ہو؛ تاکہ وہ انجمن کامیاب اور اس کا نفع عام وتام اور اس کے نقوش زندہ وتابندہ رہ سکے؛ کیوں کہ انجمنیں معاشرہ کے ایک بڑے حصہ پر اثر انداز ہوتی ہیں، افرادِ

انجمن اپنے نگران ومربی کے اخلاق واطوار اور سوزِ دروں وسازِ بیروں کو اپنے شیشہ خانۂ قلب میں سما کر جہالت وبے خبری کی تیرگی میں بھٹکتی عوام الناس کے لیے معکوس روشنی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

لجنۃ القراء کا سرور آگیں قیام

اس مبارک فن کی ترویج واشاعت میں حضرۃ الاستاذ مولانا قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری مدت فیوضھم کے غیر معمولی شغف، شوقِ عمل، پیہم رواں ہردم جواں حوصلے اور طلبہ سے سرگرم ملی جلی شفقت کو خاص دخل رہا ہے، طلبہ کے جذبات کی قدردانی کے خاطر آپ نے ۱۴۰۱ھ میں ایک انجمن بنام ''لجنۃ القراء'' کی داغ بیل ڈالی، جس کی مختصر کارگزاری مؤرخِ جامعہ کی زبانی سنیے:

''تجوید وقراءت پڑھنے والے طلبہ کی بھی ایک انجمن لجنۃ القراء کے نام سے قائم ہے، اس کا جلسہ (ہفتہ واری مجلس) بھی تین ہفتہ میں ایک مرتبہ پنج شنبہ کو بعد نمازِ عشا منعقد ہوتا ہے اور سہ ماہی وششماہی پروگرام بھی ہوتے ہیں، ان پروگراموں میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو سالانہ انعامی جلسۂ قرأت میں شرکت کا موقع دیا جاتا ہے، سالانہ جلسۂ قرأت بڑے اہتمام سے ہوتا ہے اور اچھے مجودین کو دعوت دی جاتی ہے''۔ (تاریخِ جامعہ، ص: ۲۵۷، ۲۵۸)

نیز دوسری جگہ کچھ اس انداز میں لکھتے ہیں:

''سال میں اس لجنہ کی طرف سے تین مقابلے بھی رکھے جاتے ہیں، ایک

سہ ماہی، دوسرا ششماہی اور تیسرا سالانہ۔ سہ ماہی مسابقہ طلبا ہی کی نگرانی میں ہوتا ہے، ششماہی مسابقہ اساتذہ کی نگرانی میں، ضابطہ یہ ہے کہ جو طالبِ علم سہ ماہی اور ششماہی مسابقوں میں اچھے نمبرات حاصل کرتا ہے، اس کو سالانہ مسابقہ میں شریک ہونے کا موقع دیا جاتا ہے، اس مسابقہ میں طلبہ کی ہمت افزائی کے لیے انعامات بھی تقسیم کیے جاتے ہیں.... تجوید وقرأت کی اِس پُر بہار رونق پر شعبۂ تجوید کے صدر قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری قابلِ مبارک باد ہیں‘‘۔

(تاریخِ جامعہ، ص:۲۱۰)

لجنۃ القراء ماضی وحال کے آئینہ میں

یہ بات اوپر علم میں آچکی ہے کہ پہلے ’’لجنہ‘‘ کا ہفتہ واری پروگرام تین ہفتے میں ایک مرتبہ شبِ جمعہ (جمعرات) بعد نمازِ عشا ہوتا تھا، بعد میں شرکا کی کثرت اور وقت کی طوالت کے پیشِ نظر دو ہفتے میں ایک بار، پھر ہر ہفتے میں ایک مرتبہ شبِ چہارشنبہ بعد العشاء ہونے لگا، جواب تک بفضلہٖ تعالیٰ اسی نہج پر جاری وساری ہے، اسی طرح پہلے سہ ماہی وششماہی پروگراموں کے نمبرات کو معیار بنا کر سالانہ مسابقہ میں شرکت کا موقع دیا جاتا تھا، اس کے بعد ہفتہ واری مجالس کے نمبرات کو معتبر قرار دیا گیا، اور اب اسے بھی ختم کر کے نئے نظام کے ماتحت تعلیمی سال کے آغاز ہی سے اعلان کر کے درخواست جمع کر لی جاتی ہے، سال بھر تیاری کے بعد پھر درخواست گزاروں کے درمیان ذیلی مسابقہ کروا کر معیاری نمبرات

حاصل کرنے والے طلبہ کو سالانہ مسابقہ میں شرکت کا موقع فراہم کیا جاتا ہے، نیز وہ پروگرام جو سال میں تین مرتبہ سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ کے عنوان سے ہوتے تھے انہیں سمیٹ کر ایک ہی پروگرام میں منحصر کردیا ہے، اگرچہ تین پروگراموں کی کمیت گھٹا کر ایک ہی میں منحصر کردی گئی ہے؛ مگر یہی ایک باعتبارِ کیفیت تین پر حاوی ہوتا ہے۔

حالات کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے لجنہ نے دیگر شعبوں کو بھی تجلی گاہِ توجہ بنایا ہے جس کی مختصر سی تفصیل باصرہ نواز ہے:

لجنۃ القراء کے حالیہ شب وروز

ہر شبِ چہار شنبہ نمازِ عشا کے بعد متصلاً ہفتہ واری مجلس منعقد ہوتی ہے، جس میں (عربی اول سے سوم تک تمام طلبہ لازمی طور پر اور اوپر کے درجوں کے قرأتِ سبعہ وعشرہ پڑھنے والے) تقریباً ۲۵۰/ طلبہ شریک ہوتے ہیں، ان تمام طلبہ کو دو علیحدہ علیحدہ باری میں مختلف شعبوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، اس طرح ہر طالبِ علم کو پندرہ دن میں ایک مرتبہ بھرپور تیاری کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو جِلا بخشنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

خصوصی مجلس

سال کے شروع ہی میں اعلان کے بعد سالانہ مسابقہ میں شرکت کے امیدواروں کی ایک مستقل نظام کے تحت مشق کی ترتیب بنائی جاتی ہے اور ان کی

جانچ پڑتال کے لیے ہر ہفتہ واری مجلس کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ کی ایک نشست ''خصوصی مجلس'' کے نام سے رکھی جاتی ہے، جس میں علی حسب الضرورت ۱۴ یا ۱۵ شعبے مشّاق طلبا کی رہنمائی میں قائم کیے جاتے ہیں اوران کی کیفیات بھی باقاعدہ ریکارڈ کی جاتی ہیں۔

اذان، امامت وخطبۂ جمعہ

اذان، امامت وخطابت؛ معزز اور توجہ طلب مرحلے ہیں، جن کی نزاکت ولطافت اور باریکی محتاجِ بیان نہیں، اسی اہمیت کی وجہ سے یہ ذمہ داری بھی جامعہ کی طرف سے شعبۂ تجوید وقرأت پر ڈالی گئی ہے، لہٰذا یہ مراحل بھی ذمہ دارانِ لجنہ کے ماتحت اساتذہ کے مشورے سے بہ انتظام وانصرام طے پاتے ہیں۔ روزانہ دوپہر میں کھانے کے بعد مستقلاً اذان کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اسی طرح سبعہ وعشرہ پڑھنے والے طلبہ کے دوشِ ناتواں پر امامت کا بارِ گراں ڈال کر تمرینی مرحلوں سے گزارا جاتا ہے۔ امامت کے سلسلہ میں حضرت قاری صاحب کی توجہ قابلِ ذکر ہے، آپ وقتاً فوقتاً دورانِ تعلیم نماز کے آداب وسنن کے پاس ولحاظ کی تلقین اور خلافِ اولیٰ باتوں پر نکیر بھی فرماتے ہیں، جس کے ضمن میں کبھی امام کو کسی بڑی غلطی کے ارتکاب پر حضرت کی خفگی کا اور بسا اوقات پر شفقت لیکن زناٹے دار طمانچہ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، خوش نصیب ہے وہ طالبِ علم جسے یہ تمغہ نصیب ہو۔ فجزاکم اللہ عنا احسن الجزاء۔

اسی طرح خطبۂ جمعہ بھی طلبہ ہی کے ذمہ ہے، جس میں طلبہ علی العموم لجنہ ہی کے مرتب کردہ خطبوں کا سہارا لیتے ہیں، اس باب میں بھی حضرت قاری صاحب کی گدازی وتپش قابلِ تقلید اسوہ ہے، چناں چہ جس طالب علم کی باری ہو اس کے لیے ایک ہفتہ قبل تیاری کر کے زبانی خطبہ سنانا ضروری ہے، جسے حضرت خود بہ نفسِ نفیس شوق واہتمام سے سنتے ہیں اور لہجہ وانداز سے متعلق مفید مشوروں سے نوازتے ہیں، اس ''شاہی قاعدہ'' کی خلاف ورزی کی صورت میں حضرت کے عتاب کے سوا ''دوگنی سہ گنی باری کے بارِ گراں'' کا بھی متحمل ہونا پڑتا ہے۔

القرآن

قرآنِ کریم کے الفاظ کی نوک پلک کی استواری کے ساتھ ساتھ اس کے لافانی ولاثانی مفاہیم، مضامین اور احکامات سے امت کو روشناس کرنے اور اس پلیٹ فارم سے صحیح العقیدہ داعیوں سے امت کی جھولی بھرنے کے لیے ایک جداری پرچہ ''القرآن'' کے نام سے بہ یادگار ''قاری عبدالرحمن صاحب مکی نور اللہ مرقدہ'' نکلتا ہے، جس کے مضمون نگاروں کی پذیرائی کے لیے انہیں سالانہ مسابقے کے موقع سے، انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔

لجنہ کا کتب خانہ

لجنہ کا ایک کتب خانہ بھی ہے، جس میں تقریباً دوسو کتابیں ہیں، جن میں کئی گراں قدر قیمتی اور نایاب کتابیں حضرت الاستاذ کی علم دوستی اور فن پروری کی غماز ہیں۔

عظیم الشان سالانہ مسابقۂ قرأت

پورے سال کی لجنائی سرگرمیوں کو منظرِ عام پر لانے اور خوشہ چین لجنہ کی مخلصانہ ومستانہ کا مجوئیوں کو قبولیت کے ہاتھوں اٹھانے کے لیے ایک شاندار مسابقۂ قرأت رکھا جاتا ہے، پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ لجنہ کے ابتدائی سالوں میں یہ مسابقہ سال میں تین مرتبہ الگ الگ عناوین سے رو بہ عمل لایا جاتا تھا؛ مگر اب ان تمام کو سمیٹ کر ایک ہی سالانہ مسابقۂ قرأت کی شکل دے دی گئی ہے، یہ سالانہ مسابقہ اکثر و بیشتر شبِ جمعہ بعد المغرب شروع ہو کر تقریباً پانچ نشستوں میں مع سالانہ جلسہ و تقسیمِ انعامات سنیچر کے روز قبل الظہر تقریباً دو دن میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

لجنۃ القراء کی عمرِ رواں

لجنہ کا وہ کارواں جس نے ۱۴۰۱ھ کو میرِ کارواں حضرت قاری صاحب کی قیادت وسیادت میں کوچ کا نقارہ بجایا تھا، وہ اب کبھی خراماں خراماں کبھی تیز ڈگ بھرتے ہوئے، حالات کے دیو کی گردن مروڑتے ہوئے اور مقتضائے وقت کو امکان بھر پورا کر کے اپنی منزل کے چونتیس پڑاؤ کامیابی سے طے کر چکا ہے اور اب بحمد اللہ پینتیسویں پڑاؤ میں قدم رکھے ہوئے اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہے۔ نیز لجنہ و شرکائے لجنہ کی خدمت و شرکت کو سراہتے ہوئے اب تک لجنہ کے پلیٹ فارم سے خطیر رقم کے انعامات بھی تقسیم کیے جا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو بہ عافیت جاری وساری رکھے۔

کلماتِ امتنان وتشکر بخدمتِ حضرت اقدس

بلا شبہ لجنہ کا تخم آج سے کئی سال پہلے بویا گیا اور آج جس چمنستان کے گلہائے رنگا رنگ سے ہم اپنی آنکھوں کے لیے نور، دلوں کے لیے فرحت وسرور اور مشامِ جاں کے لیے عطر وخوشبو کا سامان حاصل کرتے ہیں، نہ جانے اس چمن کی آبیاری کے لیے کتنی ہی کیاریوں کو حضرت نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہوگا؛ کیوں کہ:

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر		عشق ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

نہ معلوم اپنی کتنی ہی جوان تمناؤں کو دفن کیا ہوگا، اِسے آفت زماں سے بچانے کے لیے خدا جانے کتنے ہی خوں بار زخم اپنے سینے پر سجائے ہوں گے، جن کے نقشہائے کہن کو حضرت کا خلوص اور صبر وتحمل گوشۂ خمول میں لیے ہوئے ہیں۔

ایک شکستہ قلم اس صبر واستقامت کے پیکر کو کیا خراجِ عقیدت پیش کرسکتا ہے، جس کی صدا ہی لا أسئلکم علیه أجراً ہے، اس عظمتِ مجسم کو عقیدتوں کی کن مالاؤں سے مزین کیا جاسکتا ہے سوائے اس شعر کے:

زمانہ کیا صلہ دے گا تری وفاؤں کا
حیات اپنی تو نے لٹا دی اک اجنبی کے لیے

حضرت کی عرق ریزی اور دعائے نیم شبی کے خمیر سے مرکب وتیار شدہ اس ماحول کو دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ ع

سدا ہرا بھرا رہے، شجر تیری امیدوں کا

ایک تاریخی جلسہ

اہالیانِ جامعہ کو اس کا اعتراف ہے کہ جامعہ میں چلنے والی انجمنوں میں سب سے زیادہ باوقار، پُر رونق جلسہ و مسابقہ لجنہ ہی کا ہوتا ہے، اس رونق کی بھی ایک ہی وجہ ہے، وہ ہے آپ کی رفیع المرتبت شخصیت۔

فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے "مردِ خلیق"	۞	ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانہ میں

سال گذشتہ کا (۲۰۱۱ء) مسابقہ وجلسہ ریکارڈ توڑ اور انوکھے طرز کا ہوا تھا، اس میں کچھ تاریخی لمحے بھی آئے تھے، جی چاہتا ہے کہ اس کا بھی تذکرہ چھیڑا جائے اور کچھ ایسا چھیڑا جائے کہ شریک نہ ہوسکنے والے بھی لطف اُٹھائیں۔ اُس موقع سے راقم الحروف افتاء سالِ دوم کا طالبِ علم تھا، اُس انوکھے جلسے سے متاثر ہوکر ایک مضمون سپردِ قرطاس کیا تھا، یہاں اُسی مضمون کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:

یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

۲۱ رمئی ۲۰۱۱ء بروز سنیچر کی صبح وہ صبحِ جاں نواز تھی، جس کے انتظار میں پچھلی شب کروٹوں کی نذر ہوگئی، رات اپنا سیاہ لبادہ اوڑھے پورے عالم پر چھائی ہوئی تھی، صبحِ کاذب کا فریب کن اجالا تاریکی سے ٹکرا کر واپسی کی راہ اختیار کر چکا تھا، نور وظلمت کا تصادم یوں ہی جاری تھا کہ اچانک بندۂ مومن کی صدائے دلنواز ابھری: اللہ اکبر اللہ اکبر۔ آلۂ مکبر الصوت کی وساطت سے یہ آواز کانوں کے

رستے سے گذر کر دل کے دروازہ پر دستک دینے لگی، ہر طالبِ علم جلدی جلدی وضو استنجا سے فارغ ہوکر مسجد کی طرف دوڑ پڑا۔ یہاں فجر کی نماز شروع ہوئی اور یہاں ''ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز'' کا منظر دکھائی دیا، دوگانہ سے فارغ ہوکر کچھ دیر تلاوت کا مبارک ماحول رہا، اس ماحول کے ختم ہوتے ہی طلبا مطبخ کی طرف لپکے، کوئی بھاگتا ہوا تو کوئی تیز قدموں کے ساتھ، کوئی سست رفتار تو کوئی خمارِ نوم میں لڑکھڑاتا ہوا؛ مگر سب سے پہلے مطبخ میں داخل ہونے والے کو بھی وہی ناشتہ ملا جو اس کاروانِ بے نیاز کے آخری فرد کو ملا، ناشتے سے فراغت پر اولوالعزم طلبا نے کتابوں کی ورق گردانی شروع کی تو کاہل وسست طلبا بسترِ نوم کا حق ادا کرنے لگے، کچھ دیر یہی منظر رہا؛ لیکن اب پھر ''محمود وایاز'' ایک ہی صف میں آ گئے اور تمام طالبانِ علومِ نبویہ روزانہ کی طرح درسگاہوں میں بیٹھے نظر آئے، مگر آج ان کا رویہ عجیب سا لگ رہا تھا، پتہ نہیں! انہیں کس ساعت کا انتظار تھا، اِدھر استاذ پوری جاں فشانی کے ساتھ علوم ومعرفت کے چشمے بہا رہا ہے اور اُدھر ان کی نگاہیں گھوم گھوم کر گھڑی کا طواف کر رہی ہیں۔ جن درسگاہوں کی مسند خالی تھی وہاں کے بعض طلبا نے آتشِ انتظار کی تسکین کے لیے برآمدہ میں دیدہ دلیری کے ساتھ چہل قدمی کا شغل اپنایا، خدا خدا کر کے وقتِ میعاد آپہنچا، دربان نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور چشم زدن میں جامعہ کی فضا میں گھنٹی کی آواز گشت کرنے لگی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک بیدار مغز و پُرجوش کارواں کے لیے کوچ کا نقارہ بجا دیا گیا ہو، خدا جانے

اِس نقارے میں کیا تھا کہ علوم کے بیش بہا خزانے لٹاتی ہوئی زبانیں مہر بہ لب، انگلیوں کی حرکت موقوف، کاپیاں بند، کتابوں کے خوش نما چہروں پر نقاب، اشہبِ قلم پر لگام، اور غریب طلبا ہجومِ بے پایاں کی شکل میں افتاں وخیزاں جامعہ کے وسیع ہال میں نظر آئے، ہر ایک کی یہ خواہش کہ میں سب سے آگے رہوں، ہر شخص کی یہ تمنا کہ مجھے اچھی جگہ مل جائے، یارانِ باصفا نے یہاں بھی وفاداری کے جوہر دکھانے شروع کیے، اپنے ساتھیوں کے لیے جھٹ پٹ اڑوس پڑوس کی جگہوں پر رومال، قلم، مسواک وغیرہ سے قبضہ جمالیا، اور جس غریب کے پاس جگہ روکنے کے لیے کچھ نہ تھا اس نے ''تفسحوا فی المجالس'' کا ''غلط اور بے جا'' مظاہرہ کیا، یا مبدأفیاض کی جانب سے عطا کردہ ہاتھ ہی رومال وقلم کا کام دینے لگا۔ الغرض کیفیت یہ تھی کہ ہر شخص اس جلسہ میں شرکت کے لیے بے تاب ومضطرب اور بے چین وبے قرار، جن کو آگے جگہ نہ مل سکی وہ پیچھے یہ کہہ کر فروکش ہو گئے:

تیری محفل میں غنیمت ہے جہاں بیٹھ گئے	دردمندوں سے نہ پوچھ کہاں بیٹھ گئے

اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد اب پھر سے بے قراری کا ایک نیا سلسلہ، ہر ایک کی نگاہ دروازے پر جمی ہوئی، ہر شخص کی عنانِ توجہ کا مرکز ومحور وہی دروازہ، اور عجب نہیں کہ پرشکوہ ہال کا ذرہ ذرہ کسی کے انتظار میں چشم بہ راہ ہو، دیکھیے! ایک کارواں آ گیا: یہ نورانی چہرے والے شیخِ طریقت حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری ہیں، یہ بارعب شخصیت امام القراء حضرت قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری کی

ہیں، یہ پر کشش شخصیت کے مالک ماہرِ تجوید حضرت قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی ہیں اور یہ جاذب نظر فرشتہ صفت انسان شیخ الحدیث حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی ہیں، یہ سنجیدہ چہرہ مہتمم جامعہ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب کا ہے، میں ان سب کے نورانی چہرے دیکھ ہی رہا تھا کہ کسی نے سرگوشی کی:

خدایا د آئے جنہیں دیکھ کے، نور کے وہ پتلے
وہی ہیں نبوت کے وارث، وہی ہیں ظلِ رحمانی

لیجیے! اجلاس کا باضابطہ آغاز ہو گیا، خلافِ قیاس ناظمِ جلسہ نے ''امام القراء'' کو دعوتِ سخن پیش کی، حضرت قاری صاحب کا پُر مغز و بلیغ خطاب ہوا، آبِ زر سے لکھنے کے قابل قیمتی باتیں ارشاد فرمائیں، تجربات کی روشنی میں صحیح سمتِ سفر کی نشان دہی کی، تجوید سے ناآشنائی بلکہ روگردانی پر لہجہ اور آواز میں سوز و درد ایسا سمٹ آیا کہ صاف محسوس ہونے لگا: ہر ہر جملہ خون جگر مسیں ڈوبا ہوا اور تپشِ دل سے حرارت یافتہ ہے۔

حضرت قاری صاحب کے خطاب کے بعد اسٹیج پر مساہمین طلبہ نے قبضہ جمالیا، یکے بعد دیگرے قراء حضرات کا تانتا بندھ گیا، ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر، کسی کی مخارج پر مضبوط گرفت تو کوئی آواز کے نشیب و فراز کا مالک، کسی کی خاص امتیازی صفت ادائیگی تو کسی کا طرۂ امتیاز مقناطیسی آواز، کسی کی طویل سانس پر سامعین عش عش کر اٹھے تو کسی کے پر سوز و مغموم لہجے نے آنکھوں کے کٹوروں کو

پانی سے بھر دیا، غرض ایک چڑھتا سورج تھا جس کی کرنیں لحظہ بہ لحظہ ترقی کی جانب رواں دواں، ایک گلستاں تھا جس میں ہر قسم کے عمدہ، خوشبودار، مستنوع اللون پھولوں نے ایک خوبصورت موسم بنا رکھا تھا۔ ان سحر طراز قراء نے سامعین کو کچھ ایسا دامِ سحر میں گرفتار کر رکھا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے جیبوں میں ہاتھ چلے گئے، مختلف عطر کی بوتلوں، ڈالر اور روپیوں، کتابوں اور قلموں کا انبار لگ گیا، اس داد و دہش کو دیکھ کر "یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" کی عملی تفسیر نگاہوں کے سامنے آ گئی اور اس فیاضی پر ایثار و قربانی سے عبارت صحابہؓ کی زندگیاں یاد آ گئیں، سخاوت و فیاضی کا یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا؛ یہاں تک کہ مساہمین طلبا کی لمبی فہرست اختتام پذیر ہوئی، درمیان میں نعت خوانی نے نشاطِ طبع کو شرابِ دو آتشہ بنا دیا۔

طلبہ کے پروگرام ختم ہوئے، اعلانِ نتائج اور تقسیمِ انعامات کا آغاز ہوا، اس سے فراغت پر حضرت قاری محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم مسندِ خطابت پر رونق افروز ہوئے اور قلیل وقت میں گراں قدر تأثرات کا اظہار کچھ اس انداز میں فرمایا کہ کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا ہو گیا، کنجشکِ فرومایہ کو باز سے بھڑ جانے کا حوصلہ مل گیا اور کم ہمتی کے تحت الثری میں پھنسے طلبا آناً فاناً عزم و بلند ہمتی کے ثریا پر فائز نظر آئے۔ اس مختصر جامع مانع خطاب کے بعد گردنیں اٹھیں اور گستاخ نگاہوں نے صدرِ اجلاس کا طواف شروع کر دیا، پھر نگاہوں نے عجیب

منظر دیکھا کہ صدرِ اجلاس کرسی پر متمکن ہیں اور جامعہ ہذا کے ادیب حضرت مفتی عرفان احمد صاحب مالیگانوی زید مجدہٗ - جنہیں قدرت نے شیریں زباں، صاف ستھرا قلم اور ذہنِ ثاقب سے نوازا ہے - بچے تلے الفاظ میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے نظر آئے، بعض ناظرین یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ایک ایسے موقع پر جب کہ جلسے کا وقت اپنی آخری حدوں کو نہ صرف چھو رہا ہے؛ بلکہ پار کر چکا ہے، اس سمع خراشی کی کیا ضرورت ہے، ادیبِ جامعہ پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ محوِ خطاب تھے، صرف لفظ سے نہیں؛ حرف حرف سے جذبات کا ایسا طوفان امڈ رہا تھا جو ہر ذی عقل کو چونکا دینے کے لیے کافی تھا، آپ فرما رہے تھے: ''میں آپ حضرات کی توجہ ایک اہم بات کی طرف مبذول کرنا چاہ رہا ہوں، کیا ہم نے کبھی سوچا کہ یہ بزم آرائیاں اور پُر رونق محفلیں، یہ شیریں لہجے اور پُرسوز قرائتیں، یہ حفص اور عشرہ کی روایتیں، یہ سبحان اللہ اور ماشاء اللہ سے گونجی ہوئی فضائیں، یہ وجد طاری کر دینے والی پُر کیف بہاریں، یہ جھومتے ہوئے اجسام اور اشکبار نگاہیں، یہ سب کس کا فیض ہے؟ اِس رونق کے پیچھے کس کی آہ وزاریاں ہیں؟ اِن پُر کیف نظاروں کے پسِ پشت کس کی قربانیاں ہیں؟ یہ لہلہاتا ہوا چمنستان کس کے خونِ جگر کا صدقہ ہے؟ یہ سب ہمارے حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کا فیض ہے، آج تقریباً چالیس سال گذر گئے نہ جانے کتنی قربانیوں سے اس کو پروان چڑھایا، کیا معلوم! اس بزم کو رونق بخشنے کے لیے اپنے خون کے کتنے

چراغ جلائے، خدا جانے! تجوید وقرأت سے نا آشنا اس بنجر زمین کو کیسے سرسبز و شاداب کیا، آخر یہ قربانیاں اور آہ وزاریاں کب چھپ سکتی ہیں! امت کے غم والم میں پگھلنے والے اس چراغ کی روشنی سے اہلِ بزم کب تک منہ پھیر سکتے ہیں، اعراض واغماض کے جگر پاش سلسلے کہاں تک درازئ عمر کا مظاہرہ کریں گے! اب تو اقرار کرنا ہوگا، اب موقع آگیا ہے کہ قرآنِ کریم کی بے لوث خدمت کرنے والے اس شخص کو اعزاز سے نوازا جائے، ایک پھول اپنی تمام تر رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ اہلِ چمن سے کب تک روپوش رہے گا! اکبر مرحوم نے کہا تھا:

نگاہیں زمانے کی کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں
کہیں چھپتا ہے اکبرؔ پھول پتوں میں نہاں ہوکر

آج اِس شخصیت کے اعزاز میں ہم سب کے روحِ رواں، جامعِ شریعت وطریقت، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری -اطال اللہ بقاءہ فینا- کی طرف سے ''مشلح التکریم'' پیش کیا جارہا ہے، جسے خود حضرت اقدس اپنے بابرکت ہاتھوں سے پہنائیں گے۔

اس کے بعد حضرت قاری صاحب متواضعانہ کھڑے ہوئے، اور حضرت مفتی صاحب نے اپنے دستِ بابرکت سے ''مشلح'' پہنایا، دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ سجی ہوئی، ایک دوسرے پر جاں نثار، والہانہ عقیدت ومحبت کا خوشنما منظر، ایک آفتاب تو دوسرا ماہتاب۔ سیاہ رنگ کے اعزازی جبہ میں حضرت قاری

صاحب ایسے لگ رہے تھے گویا اندھیری رات میں چودھویں کا چاند، سیاہ رنگ کے جبہ سے نورانی کرنیں چھن چھن کر سامعین کی آنکھوں کو منور کر رہی تھیں، درودیوار جگمگا اٹھے، امامِ وقت کے اِس اعزاز پر جامعہ کا پرشکوہ ہال جھوم ہی تو اٹھا، ہواؤں نے چشم زدن میں یہ خبر جامعہ کے کونے کونے میں پھیلا دی، بادِ بَہاری کے جھونکے کھڑکیوں اور دروازوں کی ایک جانب سے داخل ہو کر دوسری جانب سے نکل جاتے، شوخ و چنچل ہوائیں کوشاں رہیں کہ کسی طرح ان بزرگوں سے مس ہو کر سعادتِ دارین حاصل کریں، اشجار نے فرطِ جذبات میں رقص شروع کر دیا، در و دیوار کے لبوں پر نغمۂ جاں فزا آ گیا، پتوں نے مل کر تالیاں بجائیں، بیچارے پا افتادہ غریب ذروں کا ایک وفد ہوا کے دوش پر سوار ہو کر یہ منظر دیکھنے نکلا، چمن میں گلاب، نسرین، چنبیلی وغیرہ نازک اندامون نے ایک ساتھ حسین قہقہے فضا میں بکھیرے، بلند قامت مینارے جھومنے لگے، باوقار شاہی کرسی پر براجمان عظیم الشان گنبد بھی اپنے کندھوں کو جنبش سے نہ روک سکا، میں نے اس کو غور سے دیکھا تو تبسم کی آمیزش کے ساتھ اس کے لب ہل رہے تھے اور وہ قاری صاحب کو مخاطب کر کے ترنم سے گا رہا تھا:

کوئی پہنچا نہیں اے یار! تیرے قدِ رعنا تک
ہماری فکرِ عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک
گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پہ جان دیتا ہے

نہیں پہنچی نظر اس کی ترے رخسارِ زیبا تک
نقاب الٹے اگر وہ عارضِ پرنور سے اپنے
شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک
جو ہے طوق گلو گرداب، تو زنجیر پا موجیں
تیری الفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک
نہا کر آب آئینہ کیا ہے اس نے پانی کو
نگاہیں بے تکلف جارہی ہیں قعرِ دریا تک
زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے
تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

اللہ اکبر! کیا اس اعجاز کی مثال مل سکے گی؟ کسی ادارے میں عظمت ومحبت کا ایسا حسین سنگم کب کسی نے دیکھا ہوگا؟ کسی جامعہ اور دارالعلوم نے عقیدت و قدردانی کے یہ کرشمے کہاں دیکھے ہوں گے؟ لیکن جاننا چاہیے کہ اس عظیم الشان اعزاز پر اس شخصیتِ عظمیٰ نے کیا کہا؟ آپ نے آبدیدہ لہجہ میں فرمایا کہ: جب سے یہاں آیا ہوں، کوئی موقع ایسا نہیں گذرا کہ مفتی صاحب نے میرا ساتھ نہ دیا ہو، مرحوم مہتمم صاحب کو کوئی بات باور کرانی ہوتی تو یہ میرے ترجمان بن جاتے، آج کی اِس رونق میں اِن کا بھی حصہ ہے۔ اس کے جواب میں حضرت دامت برکاتہم نے جو ارشاد فرمایا وہ گوش گزار کرلو! اُس مردم ساز اور قدرداں کے لب ہلے اور

یوں گویا ہوئے: ''میری نگاہوں کے سامنے قاری صاحب کی ساری کاوشیں ہیں، روزِ اول سے-جب سے یہاں تشریف لائے-میں ان کی قربانیاں دیکھتا آیا ہوں۔

ناظرین کی آنکھیں بھر آئیں اور ٹپ ٹپ رخساروں پر آنسو بہنے لگے، خوشی کے قطروں کا یہ تسلسل جاری تھا کہ ''ادیبِ جامعہ'' کی آواز پھر پردۂ سماعت سے ٹکرائی: اگر گجرات میں اشاعتِ تجوید کی تاریخ لکھی جائے تو ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ مؤرخ کا قلم صدر القراء قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی دامت برکاتہم کا تذکرہ کیے بغیر گذر جائے؛ اس لیے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی طرف سے انہیں بھی ''مشلح التکریم'' سے نوازا جاتا ہے، حضرت نے ان کے حق میں تعریفی وتوصیفی کلمات ارشاد فرمائے اور خاص یہ فرمایا کہ: یہ اپنی جگہ جو عظیم الشان کام کر رہے ہیں اسے میں جانتا ہوں۔ یہ منظر ان لوگوں کے رخسار پر ایک زبردست طمانچہ تھا جو ڈابھیل وترکیسر کو ایک دوسرے کا حریف شمار کرتے ہیں۔

ناظرین! دھڑکن روک لیجیے! اب باری آئی اُس شخص کی جس کا نام جامعہ کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے، جس کے کارنامے ابیض من الشّمس ہیں، جس کی عظیم خدمات سے درودیوار، شجر وحجر، ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ واقف ہیں۔ ع

پتہ پتہ بوٹہ بوٹہ حال ہمارا جانے ہے

ان طلبہ سے پوچھو کہ کس کی ضربِ کلیمی مشق کے لیے بروقت پہنچاتی ہے اور کس کی حوصلہ افزا باتیں خصوصی نشستوں میں شریک ہونے پر مجبور کرتی ہیں؟

کس کی دھمکیاں ہیں کہ تم دوڑ دوڑ کر مشق کرتے ہو اور کس کی مسکراہٹیں ہیں کہ جس کے دیدار کو تم بے تاب ہو کر جاتے ہو؟ نت نئے طلبہ کو ہر سال اسٹیج کی زینت بنانے والا کون ہے؟ یہ کس عقاب کی مردم ساز نگاہیں کام کر رہی ہیں؟ کس شخصیت کے نہ ہونے سے درسگاہیں سونی پڑ جاتی ہیں؟ مترنم اذان اور پُر کیف امامت کس کا صدقہ ہے؟ رجال سازی کا یہ عظیم الشان کارنامہ کون انجام دے رہا ہے؟ مسابقے کی رونق کا باعث کون ہے؟ لجنہ کی رگوں میں کس کا خونِ جگر گردش کر رہا ہے؟ کیا ان سب سوالوں کے جواب میں صرف ایک نام ہونٹوں پر نہیں آئے گا؟ کیا حضرت قاری محمد رضوان صاحب زید مجدہٗ کا نام لینا مبالغہ آرائی کہلائے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں! تو دیکھیے! اسٹیج کی طرف قاری محمد رضوان صاحب کے شیخ و مرشد ہی ان کی شال پوشی کر کے خطیر نقدی دے کر ان کا اعزاز بڑھا رہے ہیں، اللہ اکبر!! کیا کہنے اس اکرام و اعزاز کے!!!

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا	ہر مدعی کے واسطے دار و رَسَن کہاں

اخیر میں حضرت صدرِ ذی وقار کا بیان ہوا، دامنِ وقت کی تنگی کے باعث حضرت نے پورے اجلاس پر ایک شعر پیش کر دیا، اور شعر بھی ایسا کہ ہزار نثری عبارتیں اس پر قربان اور گھنٹوں کے طویل بیانات نثار ہو جائیں:

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں، کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں اکبرؔ قدر دانوں کی، کرے تو کوئی کمال پیدا

پھر حضرت نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ: کلیجے پھٹ گئے، تحمل کا دامن چھوٹ گیا، ضبط کے لیے ہونٹ دانتوں تلے چلے گئے؛ مگر آنکھوں کے کٹوروں سے آنسو چھلک کر رخساروں پر نشان چھوڑ ہی گئے، فرمایا: میں نے ان قرائے عظام کا اعزاز واکرام اس لیے کیا؛ تاکہ اس کی بدولت کل روزِ قیامت اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر!! دعا شروع ہوئی، ہاتھ اٹھے، آنکھیں بند اور آنسو جاری ہوئے، آمین کی صدائیں گونجیں، برحمتک یاارحم الراحمین پر دعا ختم ہوئی، اور میرے دل نے کہا ع

یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

میں ہال سے باہر نکل رہا تھا کہ دروازہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا کہ بہت اجلاس دیکھے؛ پَر ایسا پُر کیف نظارہ آج ہی نصیب ہوا، میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے جواب میں جھوم کر یہ کہا:

پھر اِس انداز سے بہار آئی	کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو! اے ساکنانِ خطۂ پاک	اس کو کہتے ہیں محفل آرائی

(جلسہ کے تأثر والا مضمون پورا ہوا۔)

تجوید وقراءات کے مدارس کا قیام

حضرت قاری صاحب کی خدمات کا ایک روشن پہلو تجوید وقراءت کے مدارس کا قیام ہے، سرِ فہرست نام ترقی کی جانب تیزی سے رواں دواں جامعۃ

القراءات کفلیتہ کا ہے، جس کا نام وکام محتاجِ تعارف نہیں۔ دوسرا مدرسہ جامعہ فرقانیہ سبیل السلام کرنپور ہے، مقصد تجوید وقراءت کی معیاری تعلیم اور اس کی نشر واشاعت کے ساتھ درسی تعلیم بھی ہے، مدرسے کی بابت بنیادی باتیں روائیدادِ جامعہ فرقانیہ سبیل السلام سے بہ حسن وخوبی معلوم کی جاسکتی ہے۔ نیز کسی زمانے میں آپ مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ کے سرپرست بھی رہ چکے ہیں، اُس وقت آپ ہمہ دم اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں آپ کے تلامذہ خدمات انجام دے رہے ہیں وہاں کے حالات پوچھ کر ان کی مناسب رہنمائی فرماتے ہیں۔

درسی خصوصیات[1]

آپ نے تجوید وقراءت کی تعلیم ماہرِ فن قاری محمد کامل صاحبؒ سے حاصل کی ہے؛ اسی لیے آپ کا درس افادیت سے بھرپور اور فنی نکات کا عمدہ شاہکار ہوتا ہے، آپ کے درس سے اٹھنے والا کبھی تہی دامن واپس نہیں جاتا ع

مے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے	۞	کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

ذیل میں آپ کے درس کی چند خصوصیات رقم کی جاتی ہیں، اللہ کرے یہ خصوصیات اربابِ فن کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوں:

(۱) چوں کہ راقم الحروف کو حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم سے باقاعدہ تلمذ کی سعادت حاصل نہیں، ''درسی خصوصیات'' اور ''فنی امتیازات'' میں سے بعض مشاہدات پر مبنی ہیں، بقیہ بیشتر آپ کے تلامذہ سے سن کر لکھے گئے ہیں۔

(۱) مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ''پرانے چراغ'' حصہ اول میں رقم طراز ہیں: تعلیم کا تجربہ ہے کہ بعض اوقات ایک ایسا معلم جس کا مطالعہ تو زیادہ وسیع نہیں؛ لیکن وہ اپنے فن اور مضمونِ کتاب پر حاوی ہے، زیادہ وسیع المطالعہ اور کثیر المعلومات استاذ سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ مفکرِ اسلام کے اس قول پر حضرت کے درس کو پرکھا جائے تو آپ کو ایک کامیاب اور عظیم صاحبِ درس کے خطاب سے نوازا جاسکتا ہے۔

(۲) حضرتِ والا یقیناً دوسرے فنون سے واقف بلکہ ماہر ہیں؛ مگر فنِ تجوید وقراءات میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل ہے، حضرت کا درس سن کر ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ فن کی باریک سے باریک بات پر حضرت کی نظر وگرفت ہے۔ اہلِ علم کے سامنے مجھے اس سچائی کے اظہار سے ذرا بھی باک نہیں کہ موجودہ دور میں حضرت فن تجوید وقراءات کے امام ہیں۔

(۳) حضرت کتاب سے زیادہ فن پڑھاتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ پہلے طلبہ کے ذہن میں نفسِ مضمون کو بحیثیت فن کے اتارا جائے اور اس کی ایک ایک بات گھول گھول کر پلا دی جائے، پھر اس کے بعد حلِ کتاب کی طرف التفات فرماتے ہیں۔

(۴) مشکل لفظ کی وضاحت لغت کی مستند کتابوں کا حوالہ دے کر ذہن نشین فرماتے ہیں۔

(۵) مسائل کی توضیح میں مباحثِ طویلہ سے اجتناب فرماتے ہیں؛ تاکہ طلبۂ عزیز کے لیے اکتاہٹ کا باعث نہ ہو، ہاں !اس قدر اجمال واختصار سے بھی کام نہیں لیتے کہ نفسِ مضمون سمجھنا بھی دشوار ہو جائے۔

(٦) اعتراضات کے جوابات میں فن کی امہات الکتب کی عبارتیں بھی سناتے ہیں اور نقول سے جواب دینے کے بعد تطمین قلب کی خاطر کبھی کبھار عقلی جوابات بھی سامعین کے گوش گزار کرتے ہیں۔

(۷) سکون ووقار اور اطمینان سے درس دینا آپ کی عادتِ مبارکہ ہے، جب کبھی ذہنی انتشار ہو یا طبیعت میں نشاط واطمینان نہ ہو آپ درس سے توقف فرتے ہیں۔

(۸) تدریسی زندگی سے وابستہ افراد جانتے ہیں کہ بسا اوقات انتہائی مشکل مقامات پر بعض مدرسین گول مول اور غیر مبہم الفاظ یا شروحات کے اقتباسات از بر کر کے سنا دیتے ہیں؛ جبکہ حضرت اس کو ''علمی خیانت'' گردانتے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ کسی علمی مسئلہ میں الجھے ہوئے مراجع کی حیثیت رکھنے والی کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف ہیں اور اُس دن درس موقوف۔ یہ مزاج ہمارے اکابرین کا تھا جو آج کل مدارس سے مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

(۹) شمائل میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندازِ تکلم کی بابت مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بات سمجھاتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے؛ تاکہ سامع اسے

اچھی طرح سمجھ سکے۔ حضرت کا درس اِس سنت کا علمی نمونہ ہے، عموماً ہر بات تین مرتبہ سمجھاتے ہیں۔ ایک ماہر مدرس طلبہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور اُن کی آنکھوں کو دیکھ کر اندازہ لگا لیتا ہے کہ میری تقریر خزینۂ حفظ میں جگہ پا رہی ہے یا پھر فضا میں تحلیل ہو کر آغوشِ فنا میں گم ہو رہی ہے۔ حضرتِ والا کی عقابی نگاہیں بہت جلد اس کو بھانپ لیتی ہیں، اس لیے کبھی ایک ہی مسئلہ کو بار بار دہراتے ہیں، بعض مرتبہ ذہین طلبہ اس تکرار سے ملول ہوتے ہیں؛ مگر وہ نہیں جانتے کہ حضرت کی نظرِ شفقت کسی اور طالب علم پر ہے۔ غرض آپ کی دلنشیں تقریر غبی سے غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا ہے۔

(۱۰) حضرت کو مبدأ فیاض کی جانب سے افہام و تفہیم کے عجیب ملکے سے نوازا گیا ہے، آپ فن کے دقیق سے دقیق مسائل کی ایسی عام فہم اور آسان تشریح کرتے ہیں کہ طالبِ علم کو اس مقام کے ''ادق'' ہونے کا احساس تک نہیں ہونے پاتا۔ جب طالبِ علم پوری طرح سمجھ جاتا ہے تب مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: بھائی! یہ وہ مقام ہے جس کو لوگوں نے ''عقدۂ لاینحل'' سمجھ رکھا ہے۔ اربابِ فن جانتے ہیں کہ شاطبیہ کا ''باب وقف حمزۃ و ہشام'' کتنا نازک اور مشکل ترین باب سمجھا جاتا ہے، اس مسلّم گنجلک مقام کی اس قدر سہل انداز میں تشریح فرماتے ہیں کہ ہر طالبِ علم کو اس باب کے اصولی قواعد ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

(۱۱) اثنائے درس ہر راوی کی ہر ہر وجہ کی سند ''التیسیر للدانی'' سے، اور

اس میں مذکور نہ ہو تو علامہ دانی کی دیگر مؤلَّفات سے، اور اگر ان میں بھی دستیاب نہ ہو تو دیگر مؤلفین کی کتبِ قراءات سے نکال کر سناتے ہیں؛ ورنہ کم سے کم درجہ میں شاطبی سے علی سبیل الحکایت ذکر کرنا تو حضرت کا طرّہ امتیاز ہے، حقیقت یہ ہے کہ اربابِ فن میں سے بھی بہت کم حضرات اس طرف توجہ فرماتے ہیں۔

(۱۲) ''شاطبیہ'' آپ بڑے ذوق وشوق سے پڑھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آدمی میں استعداد اور فن کے ساتھ لگاؤ ہو تو جس مقام پر جس قدر چاہے تشریح کر سکتا ہے، حضرت ہر سال ''شاطبیہ'' کے مقدمہ کی تشریح نئے انداز میں فرماتے ہیں اور اس کے اشعار سے نئی نئی باتیں مستنبط فرماتے ہیں۔

(۱۳) آپ پر جب ایک مخصوص کیفیت طاری ہوتی ہے تو ''شاطبیہ'' کے مقدمہ میں ایسی رقت آمیز تقریر کرتے ہیں کہ بسا اوقات سامعین آب دیدہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۴) آپ صرف علمی دنیا کے آدمی نہیں؛ بلکہ عملی دنیا میں بھی آپ اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، درس میں جب تصوف کا ذکر چھڑ جاتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ حضرت اس کوچے سے بھی نا آشنا نہیں ہیں۔

(۱۵) آپ کا درس طویل سنجیدگی سے پیدا شدہ خشکی سے پاک ہوتا ہے، وقتاً فوقتاً تفریحی جملوں سے درسگاہ کو زعفران زار بنا کر سامعین میں نشاط کی نئی لہر دوڑا دیتے ہیں۔

(۱۶) آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی خصوصی توجہ فرماتے ہیں؛ اس لیے اثنائے درس کبھی کبھار اکابرین واسلاف کے احوال واقوال اوران کے لطائف وواقعات سنا کر طلبہ کی ذہن سازی فرماتے ہیں اور جب اپنے شیخ فدائے ملتؒ حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنیؒ اوران کے بابرکت خاندان کا ذکرِ خیر آجاتا ہے تو پھر حضرت کا رواں رواں محبتِ شیخ میں سرشار، جھوم جھوم کر، آبدیدہ ہوکر بھی متبسم ہوکر بھی، ہنسا کر بھی اور رلا کر بھی؛ کچھ اس انداز میں شیخ الاسلامؒ اور فدائے ملتؒ کے احوال واقوال، واقعات وقربانیاں اور فضائل ومناقب سناتے ہیں کہ جب طلبہ درسگاہ سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے دل کی سرد انگیٹھی عشقِ مدنی میں جل رہی ہوتی ہے۔

(۱۷) حضرت جب کسی بھی فن میں گفتگو فرماتے ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو اس میں بھی مہارت حاصل ہے، بسا اوقات ''شاطبیہ'' کے درس میں فرماتے ہیں: اس کتاب کا ادبی معیار بہت اعلیٰ ہے، ادب کے طلبہ کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ غرض یہ ہے کہ آپ ہر فن کے معتد بہ حصہ سے واقف ہیں؛ البتہ فنِ تجوید وقراءات میں منصبِ امامت پر فائز ہیں جس پر آپ کی کتابیں اور اکابرین کی گواہیاں ناطق ہیں۔

آپ اسے میری کوتاہ بینی وکم نظری کہیے کہ حضرت کی درسی خصوصیات میں سے صرف چند کا ذکر کرسکا:

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا	ورنہ گلشن میں علاجِ تنگئ داماں بھی تھا

مجھ جیسے بے سواد کی جگہ اگر حضرت کا کوئی نکتہ شناس شاگرد اس موضوع پر قلم اٹھاتا تو وہ مجھ سے بڑھ کر اس کی صحیح آئینہ نمائی ونقاب کشائی پاتا۔

فنی امتیازات

اساطینِ علم وفضل جانتے ہیں کہ عرصۂ دراز تک ایک فن میں مشغول رہنے کے بعد رفتہ رفتہ فن کی پیچیدگیاں کھلنے لگتی ہیں، اس کے بند دریچے وا ہو جاتے ہیں اور فکر وسوچ کی نئی راہیں سوجھتی ہیں۔ ہمارے حضرت بھی تقریباً چالیس سال سے ''کوہ کنی'' کر کے ''جوئے تجوید'' بہا رہے ہیں، لیلائے تجوید کے گیسوئے برہم کو سنوارتے سنوارتے چار دہائیاں گذر چکی ہیں، اس طویل مدت میں راقم نے آپ کے بہت سارے امتیازات کا مشاہدہ کیا، ان میں سے چند امتیازی صفات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں؛ تاکہ اہلِ علم وفن کے حق میں مشعلِ راہ ثابت ہوں:

(۱) آپ کی پہلی امتیازی صفت یہ ہے کہ آپ نے لہجے اور نغمات کو چھوڑ کر مخارج کی طرف عنانِ توجہ ملتفت فرمائی اور پوری قوت کے ساتھ اپنے تلامذہ کو قواعدِ تجوید کی رعایت اور تصحیحِ مخارج کی طرف متوجہ فرمایا، کبھی کبھار بعض ائمۂ حرم کے لہجہ کی محاکات اور نقل سے بھی یہ کہہ کر روک دیتے ہیں کہ: ''لہجہ کی حفاظت کی خاطر معروف کو مجہول پڑھتے ہو''۔

بے شک ''تغنی بالقرآن'' شریعت میں مطلوب ہے؛ لیکن اس کا یہ

مطلب ہرگز نہیں کہ تغنی بالقرآن کی آڑ میں لہجوں کی بناوٹ کے خاطر تجوید کا گلا گھونٹ دیا جائے جیسا کہ آج کل یہ عام مزاج بنتا جارہا ہے؛ حالانکہ نغمہ ولہجہ کی خاطر تجوید کی رعایت نہ کرنا حرام ہے۔حدیث کے مشہور شارح ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: واماالتغنی بحیث یخل بالحروف زیادۃ ونقصانافھو حرام یفسق بہ القاری ویأثم بہ المستمع ویجب انکارہ فانہ من اسوأالبدع و افحش الابداع. (مرقاۃ شرح مشکوۃ:۸/۵)

طرّہ یہ ہے کہ آج کل لوگ اس پر نکیر کرنے کے بجائے سر دھنتے اور لائقِ صدآفریں وقابلِ ستائش عمل گردانتے ہیں، ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے بالکل سچ فرمایا: اقرؤاالقرآن بلحون العرب واصواتھا، وایاکم ولحون اھل العشق ولحون اھل الکتابین وسیجئ بعدی القوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لایجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شأنھم. (مشکوۃ، باب فضائل القرآن، ص: ۱۹۱) یعنی ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ قرآن کو گانوں کی طرح گا گا کر پڑھیں گے، عنداللہ ان کا پڑھنا مقبول نہ ہوگا، ان کے قلوب مفتون ہوں گے اور جو لوگ ان کی قراءت سن کر دادِ تحسین دیں گے ان کے قلوب بھی فتن زدہ ہوں گے۔

خدا کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اُس پاک طینت مردم ساز شخصیت پر جس کی کیمیا اثر صحبتوں نے یہ معتدل مزاج ومذاق بنایا، صد ہزار آفریں ہوں اس

عظیم ہستی کو جس نے نجی مجلسوں سے لے کر عالیشان جلسوں تک، خلوت کے اندھیروں سے جلوت کی رونقوں تک ہر جگہ اس پر تنبیہ فرما کر یہ ذہن نشین کروایا: ''حسنِ صوت امرِ زائد مستحسن ہے، مقصودِ اصلی نہیں، جبکہ تجوید کی رعایت لازم وواجب ہے''۔ خال خال ایسی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں جو زمانے کے دھاروں کا رخ موڑ کر رکھ دیتی ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(۲) کسی بھی فن کے حصول کے لیے مشق وتمرین بنیادی امر ہے، خصوصاً تجوید کے ساتھ قرآنِ کریم کو پڑھنا بدونِ مشق وتمرین ناممکن ومحال ہے، اسی لیے حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کے یہاں مشق کا بڑا اہتمام رہا ہے اور طلبہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے رہتے ہیں، آج عمر کے اس دور میں بھی- جب کہ بڑھاپا جھک کر سلام کر رہا ہے، امراض واعذار اور مصروفیات ہر وقت دست بستہ خدمت میں حاضر رہتی ہیں- آپ کا یہ معمول ہے کہ کم از کم ایک گھنٹہ پابندی کے ساتھ بلا تکلف ترتیل کی مشق کرواتے ہیں۔

سبعہ عشرہ کے بعض خاص شاگردوں اور خادموں سے روزانہ بعد الفجر حروفِ ہجائیہ پابندی کے ساتھ سنتے ہیں (۱)، آپ کی آمدِ باسعادت سے قبل

(۱) واضح رہے کہ جامعہ میں طلبہ کو ابتداء حروفِ ہجائیہ کی انفرادی مشق کروائی جاتی ہے مثلاً با، بو، بی، سا، سؤ، سی وغیرہ۔

جامعہ میں شب کی مشق کا کوئی انتظام نہیں تھا، آپ کی کاوش سے مدرسہ نے بعد العشاء آدھ گھنٹے کی پڑھائی کے بعد آدھا گھنٹہ مشق کا وقت مقرر کیا، جس میں عربی سوم تک اور درجاتِ علیا کے سبعہ عشرہ سے منسلک تمام طلبہ کا شریک ہونا ضروری ہے؛ ورنہ تادیبی کارروائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ترقی کرتے کرتے یہ وقت بعد العشاء متصلاً تقریباً ایک گھنٹہ میں بدل گیا ہے[۱]۔

(۳) حضرت اپنے ممتاز تلامذہ سے ہر روایت ''افراداً'' سنتے ہیں اور یہی متقدمین کا طریقہ ہے، مبتدی طلبہ میں اجراء کا ذوق اسی طرح پیدا فرماتے ہیں کہ اولاً ''افراد'' میں سنتے ہیں، پھر جب کچھ استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو ''جمعاً'' پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ آپ فرماتے ہیں کہ: بھائی! میں ''جمعاً'' سن کر

➲ تجربہ اس پر شاہد ہے کہ یہ طریقہ تیر بہ ہدف ثابت ہوتا ہے اور طالبِ علم ادائیگی پر بہت جلد کنٹرول کر لیتا ہے، اور یہ طریقہ بھی آپ کے ترکش کا ایک تیر ہے۔ اب اگر آپ کا منتہی طلبہ سے بھی بلا ناغہ حروفِ ہجائیہ سننے کا معمول ہے تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک مشق کی کس قدر اہمیت ہے۔

(۱) جامعہ میں تجوید کا بالکل شروع دور سے ہی اہتمام چلا آ رہا ہے، ہر دور میں مجوّد قراء رکھے جاتے رہے ہیں، اس وقت بھی حضرت کے تربیت یافتہ قرائے کرام کام کر رہے ہیں، درجاتِ حفظ کے طلبہ کے علاوہ اردو دینیات سے لے کر سالِ ششم یعنی عربی سوم تک تجوید پڑھنا لازم ہے، عربی سوم تک تجوید کی کتابیں (حفص) مکمل ہو جاتی ہیں، محنتی طلبہ اس وقت تک حدر سنا کر روایتِ حفص کی سند حاصل کر لیتے ہیں، جو طلبہ سند حاصل نہیں کر پاتے وہ بھی اتنا علم تو تجوید کا حاصل کر ہی لیتے ہیں کہ تلاوت صحیح کر سکیں اور نماز صحیح پڑھا سکیں، اس کے بعد تکمیلِ قراءت کے لیے طلبہ کو اختیار ہوتا ہے، جو شوقین طلبہ قراءاتِ سبعہ وعشرہ پڑھنا چاہیں جامعہ اس کا انتظام کرتا ہے، جامعہ نے اس سلسلہ میں بہت فراخ دلی سے کام لیا ہے، جامعہ اسلامیہ یا کسی اور ادارہ کا فاضل صرف تجوید یا قراءت کے لیے داخلہ لینا چاہے تو اس کو بھی دیگر طلبہ کی طرح قیام وطعام کی ساری سہولتیں دیتا ہے، باذوق طلبہ اس سہولت سے برابر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ (تاریخِ جامعہ، ص: ۲۵۱، ۲۵۲)

ٹھگ جاتا ہوں؛ اس لیے میرا جی چاہتا ہے کہ اس طریقے کو چھوڑ کر ''افراداً'' پڑھانا شروع کردوں؛ لیکن وقت کی قلت کی بنا پر ''جمعاً'' پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں۔ افراداً سننے میں ''تلفیق'' کا اندیشہ نہیں رہتا ہے، اکثر قراء حضرات تلفیق سے بچنے کا اہتمام نہیں فرماتے ہیں، جب کہ حضرت کے یہاں اجراء کا ایسا طریقہ ہے کہ ''جمعاً'' پڑھنے کی صورت میں بھی اکثر ''تلفیق'' کا اندیشہ نہیں رہتا ہے۔

(۴) آپ کی ایک ممتاز خوبی یہ ہے کہ جب تک طالبِ علم پورا قرآنِ کریم حدراً بروایتِ حفص عن عاصم بطریقِ شاطبی نہ سنائے حفص اور سبعہ کی سند سے محروم رہتا ہے؛ بلکہ آپ اس پر پوراز ور صرف فرماتے ہیں کہ: بھائی! سبعہ میں داخلہ لینے کے بعد بھی ہم اگر آپ کے مخارج کی صحت پر محنت کریں گے تو فن کی کتب پڑھانے اور اجراء کرانے کا موقع کب ملے گا!۔

یہ ایک قابلِ ستائش قدم ہے کہ جب تک مکمل قرآن نہ سنایا جائے سند سے محروم رکھا جائے، آج کل ''خلاصۃ البیان'' اور ''جزری'' میں معیاری نمبرات حاصل کرنے والوں کو ''حفص'' کی سند دے کر دریا دلی کا مظاہرہ کرنے کا طریقہ قابلِ توجہ ہے: اس لیے کہ سند ایک شہادت ہے اور جھوٹی شہادت کا حکم اہلِ علم جانتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت کے یہاں ''کمیت'' سے زیادہ ''کیفیت'' پر توجہ دی جاتی ہے۔

(۵) آپ کی ایک بنیادی شناخت یہ ہے کہ راہ چلتے بھی قرآنِ کریم سنتے

ہیں، بہت سے اکابر کا یہ وطیرہ رہا ہے[۱]، آپ کا منشا یہ بھی ہے کہ طالبِ علم جس حالت میں بھی ہو بے تکلف صحت کے ساتھ پڑھنے والا بن جائے۔ عنفوانِ شباب سے لے کر آج تک یہ معمول جاری ہے، عجب نہیں کہ جامعہ کے در دیوار اور ذرہ ذرہ، پتہ پتہ، شجر و حجر ہر چیز آپ کو مشکورانہ نگاہوں سے تک رہی ہو کہ آپ کی برکت سے کانوں میں رس گھولنے والی تلاوت کی مبارک آواز انہیں نصیب ہو رہی ہے، مادیت کے اس مہیب دور میں تلاوتِ قرآن کے یہ چرچے نعمتِ غیر مترقبہ نہیں تو اور کیا ہے!!

(٦) آپ قرآنِ کریم کی مشکل اداؤں کو نہایت آسان طریقہ پر سمجھاتے ہیں، جس سے طالبِ علم کے لیے ادا پر قابو پانا نہایت سہل ہو جاتا ہے؛ البتہ اگر سنانے کے دوران کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اشارہ سے روک کر واپس پڑھنے کا امر فرماتے ہیں، یہ اعادہ ہوتا ہی رہتا ہے؛ تا آنکہ غلطی دور کر لی جائے، خود کبھی غلطی کی نشاندہی نہیں فرماتے، بسا اوقات ایک آیت کی تلاوت کئی کئی مرتبہ ہو جاتی ہے، تب مجبوراً غلطی بتا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ: جب تک تم میں صحیح اور غلط ادا کی تمیز نہ ہو جائے تب تک تم قاری نہیں بن سکتے ہو۔

(٧) آپ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ تمام راویوں کی ہر ہر وجہ کی سند نہ صرف ذکر فرماتے ہیں؛ بلکہ طلبۂ عزیز کو اسناد از بر کرنے کا مکلف بناتے ہیں،

---

(۱) تصدیق کے لیے دیکھیے: جامعہ ڈابھیل اور فنِ تجوید، ص:۱۳۹

چوں کہ عام طور پر اسناد سے غفلت برتی جاتی ہے، اس کی طرف اہلِ فن کو متوجہ کرنے کے لیے تلاوت سے پہلے طلبا کو سند ذکر کرنے کا امر فرماتے ہیں۔

اب تو تلاوت کے وقت سند کا ذکر کرنا آپ کے تلامذہ کا معمول بن گیا ہے، اس طریقے کو بہت سے اہلِ فن نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ راقم کو یاد ہے کہ جس وقت جامعہ میں عالمِ عرب کے مشہور عالم ومقرر دکتور شیخ عائض القرنی حفظہ اللہ تعالی تشریف لائے تھے، اس وقت طلبہ نے سند ذکر کر کے تلاوت کی، شیخ اس سے بہت متأثر ہوئے اور تأثراتی بیان میں فرمانے لگے کہ: امام نافع وقالون وغیرہ سب ہمارے یہاں پیدا ہوئے؛ مگر ہمارے نوجوان ان کے اسمائے گرامی تک سے واقف نہیں، آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ نے اِن اسلاف کو سینہ سے لگائے رکھا ہے۔

(۸) بزرگوں کا مقولہ ہے کہ: جس دن آدمی اپنے آپ کو عالم اور مطالعہ سے بے نیاز خیال کرنے لگے، وہ اس کی علمی ترقی کا آخری اور زوال وانحطاط کا پہلا دن ہوتا ہے۔ حضرت فن تجوید میں مرجع کی حیثیت رکھنے کے باوجود ہمیشہ مزید کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، اکثر فن کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔

مطالعہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب کا درس دینا ہوتا ہے وہ درمیان میں اور اس کے ارد گرد فنِ قراءت کی متعدد عربی کتب زیرِ مطالعہ رہتی ہیں، اور ایک ہی

مسئلہ کو تقریباً ہر کتاب میں دیکھنے کے بعد آگے چلتے ہیں۔ طلبہ کو بھی مطالعہ کی ترغیب دیتے اور فرماتے ہیں کہ: مراجع کا مطالعہ کرو، ان میں سے ہی سب کچھ نکالا جاسکتا ہے۔ اگر چہ بہ ظاہر پیرانہ سالی اب آپ کو سلام کرتی ہے؛ مگر طلبِ علم کا جذبہ ابھی بھی جوان ہی ہے۔

(۹) اس قدر رفیع المرتبت ہونے کے باوجود کسی ماہرِ فن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے سے کبھی عار محسوس نہیں کی۔ شاطبیہ کے "باب الھمز تین من کلمتین" کے شعر/ ۳، اور/ ۹ میں "تسہیل کالمد اور "تسہیل کالواو والیاء" کا ذکر ہے، آپ مدتوں اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہے کہ ان دونوں کی ادائیگی میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟ اربابِ فن سے بھی پوچھتے رہے؛ مگر تشفی بخش جواب نہ مل سکا، تب آپ نے محض اس ایک بات کی تحقیق کے لیے صاحب احیاء المعانی: حضرت قاری ظہیر الدین صاحب معروفیؒ کے پاس کانپور تک کا سفر کیا اور اپنی علمی تشنگی بجھائی، آپ جب طلبہ کو اس سفر کی جاں گداز داستان سناتے ہیں تو دل پر اسلاف کی سچی طلب کا ایک نقش قائم ہو جاتا ہے۔

مجھ سے ادا ہوا ہے جگرؔ! جستجو کا حق	۞	ہر ذرہ کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

(۱۰) ہر بڑے آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی فکر و سوچ کی راہیں خود تلاش کرتا اور اس پر گامزن ہوتا ہے، آپ بھی اس باب میں منفرد شخصیت کے مالک ہیں، جامد تقلید کے قائل نہیں؛ بلکہ ہر بات کو تحقیق کی نظر سے دیکھتے اور تفتیش

کے زاویے سے پرکھتے ہیں۔

ہم پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے	اک طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

البتہ جب تک اپنے نظریے پر دلائل نہیں ملتے، اپنی انفرادی رائے کو دوسروں پر تھوپنے سے امکان بھر گریز فرما ہیں۔

اوصاف وکمالات

تصوف وسلوک میں فدائے ملتؒ حضرت اقدس مولانا سید اسد مدنیؒ کے دامنِ عقیدت سے وابستہ تھے، اور کئی مقاماتِ سلوک طے کر کے اعلی مقام پر فائز ہیں۔ آپ کی ذات تواضع وانکساری اور عالمانہ وقار کا حسین سنگم ہے۔ سادگی وقناعت اور طہارت ونظافت کا امتزاج قابلِ تقلید عمل ہے، خدام کا بیان ہے کہ ایک ایک جوڑا دس بارہ برس تک زیب تن کیا جاتا ہے؛ مگر مجال ہے کہ کہیں سے پرانا دکھائی دے۔ استغنا وبے نیازی کا تو یہ عالم ہے کہ بے شمار شاگرد آپ سے ملنے کے لیے آتے رہتے ہیں؛ مگر کبھی کسی ذاتی ضرورت کا ذکر تک نہیں کیا، بلکہ اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ فرقانیہ سبیل السلام کرنپور تک کے لیے بھی لب نہیں ہلائے۔ طلبہ کے ساتھ ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرماتے ہیں، اچھا پڑھنے پر بھرے جلسہ میں قریب بلا کر دستِ شفقت پھیرتے اور بھیگے پروں سے پرواز کا حوصلہ دیتے ہیں، آپ ایک شجر سایہ دار ہیں جس کی چھاؤں میں بیٹھ کر مسافرانِ علم وآگہی تھوڑی دیر ستا کر از سرِ نو تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

متاعِ وقت کی قدردانی میں آپ کی ذات اسلاف کا سچا نمونہ ہے، آپ کے نظام الاوقات میں فارغ وقت نکالنا ناممکن ہے۔ معاملات اور حساب کتاب میں صفائی کے قائل ہیں۔ اخلاص وللّٰہیت کا مجسمہ ہیں اور اسی اخلاص کی اپنے تلامذہ کو تاکید فرماتے ہیں، عرصۂ دراز سے بدونِ مشاہرہ خالصتاً لوجہ اللہ تعالیٰ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ صبر وشکر کے پیکر ہیں۔ اکابر ومعاصرین کا ازحد احترام فرماتے ہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ اکابر ومعاصرین کا ادب واحترام اختلافِ رائے کے اظہار سے کبھی مانع نہیں ہوا اور اختلافِ رائے کے اظہار میں کبھی ادب واحترام کا دامن نہیں چھوڑا۔

طرزِ معاشرت اتنا عمدہ ہے کہ ۴۰/ سال کا طویل عرصہ گذر گیا؛ مگر آج تک اپنا دامن تنازعات کے دھبوں سے داغدار نہیں ہونے دیا۔ خود فرماتے ہیں کہ: مرحوم مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کے ساتھ آٹھ سال تک رہا ہوں؛ مگر تعلقات کے آئینہ میں کبھی بال تک نہ آسکا۔ پورے مدرسہ میں کسی شخص کو آپ کی ذات سے کوئی شکایت نہیں۔ اصول پسندی آپ کا مزاج ہے، اگر کبھی کسی عذر سے درسگاہ تشریف نہ لاسکے تو اہتمام میں درخواست ضرور لکھتے ہیں، اور آج بھی یہ معمول جاری وساری ہے، طلبہ کو بھی اصول کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں۔ اکابر خصوصاً مدنی خاندان کے اکابر سے عشق کی حد تک تعلق ہے۔ خوفِ خدا رات کو چین سے سونے نہیں دیتا اور پچھلے پہر اٹھ کر اپنے رب کے ساتھ راز ونیاز میں

مصروف ہوجاتے ہیں۔نہایت رقیق القلب ہیں، اب تو عالم یہ ہے کہ یہاں کسی طالبِ علم نے قراءت کا آغاز کیا وہاں حضرت کی آنکھوں نے غسلِ صحت کا شوق پورا کرنا شروع کردیا۔ تجوید وقراءت سے نہ صرف لگاؤ ہے؛ بلکہ فنائیت کی حد تک اس کے اسیر ہیں۔ جب راقم نے زیرِ نظر مقالہ کی بنیادی معلومات کے حصول کے لیے مختلف حضرات کے توسط سے بار بار درخواست پیش کی تو ایک دن خفا ہوکر فرمانے لگے کہ: کیا یہ سب مجھ پر ہی مقالہ لکھیں گے، تجوید کی اہمیت پر بھی کوئی لکھے گا یا نہیں؟ اللہ اکبر! کس قدر عشق ہے تجوید سے! کتنی محبت ہے قراءت سے!! ہم نزدیکانِ بے بصر اس کا ادراک کہاں کرسکتے ہیں! آپ نے تو طے کرلیا ہے:

یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے	نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے

دو عظیم ہستیوں کا تذکرہ

آج جب کہ تاریخ مرتب ہونے جارہی ہے، بڑی ناسپاسی واحسان فراموشی ہوگی اگر میں ان دو اولوالعزم ہستیوں کا تذکرہ نہ کروں، جنہوں نے دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کا تعاون فرمایا:

حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ رحمہ اللہ

(سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

مرحوم مہتمم صاحب عجیب نرالی شخصیت کے مالک تھے، مردم شناسی ان کا

طرّہ امتیاز تھا، بقول مؤرخِ جامعہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی دامت برکاتہم: ''ان کا دورِ اہتمام جامعہ کی ''نشأة ثانيه کا زمانہ'' اور ''دورِ سعیدی'' کہلانے کا مستحق ہے۔ آپ کے زمانہ میں جس قدر شعبۂ تجوید وقراءت کی ترقی ہوئی ہے اور اس کا فیض ہند و بیرونِ ہند پہنچا اس کی مستقل تاریخ ہے''۔ آپ نے جن عبقری شخصیتوں کو جامعہ کے گلے کا ہار بنایا اور جن عہد ساز شخصیتوں کو جامعہ میں نگینہ کی طرح جڑ دیا، ان میں سے ایک ہمارے حضرت قاری صاحب بھی ہیں۔

آپ نے بڑے اصرار سے حضرت قاری صاحب کو دعوت دی جیسا کہ پچھلے اوراق میں تفصیل سے گذرا، قدردانی اور اعزاز واکرام کا جذبہ دیکھیے کہ تقرر کے بعد جب پہلی مرتبہ قاری صاحب کی جامعہ میں آمد ہوئی تو لوگوں نے آپکو اطلاع دی، جیسے ہی حضرت قاری صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی، خادم دوڑا آیا کہ مہتمم صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں، حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ غسل کر کے کپڑے بدل کر آتا ہوں، وہ خادم تین مرتبہ آگیا کہ مہتمم صاحب آپ کے دیدار کو بے چین ہیں، پھر جب ملاقات ہوئی تو مہتمم صاحب نے فرمایا کہ: آپ نے پہلے اطلاع کیوں نہ کی، میں لینے کے لیے اسٹیشن آدمی بھیج دیتا۔ اس کے بعد ایک کمرہ میں سامان رکھوایا اور وہی کمرہ رہنے کے لیے مرحمت فرمایا۔ خیال کیجیے کہ ایک نو وارد جواں سال فاضل کے ساتھ اس قدر حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنا شرافتِ نفس، علم دوستی اور علما پروری کی زندہ مثال نہیں تو اور کیا ہے!

جوہرِ پنہاں کا ادراک

حضرت قاری صاحب کے تقرر کے دوسرے ہی سال بتاریخ ۱۱ر نومبر ۱۹۷۵ء، ۸ر ذی القعدہ ۱۳۹۵ھ کو جامعہ میں دنیا کی سب سے قدیم اور عظیم یونیورسیٹی جامعہ ازہر مصر کے شیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود صاحبؒ کی تشریف آوری ہوئی، آپ کے اعزاز میں ایک کامیاب جلسہ منعقد ہوا، اس موقعے پر آپ نے ''روایتِ ورش'' میں تلاوت فرمائی، آپ تلاوت کر رہے تھے اور شیخ الازہر محبت پاش نظروں سے دیکھ رہے تھے، تلاوت ختم ہوئی، شیخ الازہر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرگئی، اسی وقت قریب بلا کر مصافحہ و معانقہ فرمایا اور ''احسنت احسنت'' کے کلمات سے خراجِ تحسین پیش کیا، اور بعد کی مجالس میں بھی آپ کے بارے میں بار بار دریافت کرتے رہے اور تلاوت پر داد دیتے رہے۔

یہ پورا منظر مردم شناس نظریں دیکھ رہی تھیں، ایک بابصیرت ہستی کی نگاہوں نے ''جوہرِ پنہاں'' کا ادراک کرلیا، یعنی جامعہ کی نشأۃِ ثانیہ کے علَم بردار مرحوم مہتمم صاحب تاڑ گئے کہ گوہرِ گرانمایہ ہاتھ لگ چکا ہے، دوسروں کے سامنے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ: کام کا آدمی مل گیا ہے، اب کسی طرح اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

حلمِ نبوی کا نمونہ

حضرت نے روز اول ہی سے خارج میں سبعہ کی تعلیم شروع فرمادی تھی اور فن کی خدمت کے سلسلہ میں کسی قسم کے سمجھوتے کے لیے تیار نہ تھے، اُسی زمانہ

میں کچھ رکاوٹیں پیش آئیں تو آپ نے حضرت مہتمم صاحب سے صاف صاف کہہ دیا: ''میں فوائدِ مکیہ، جمال القرآن میں وقت گزاری نہیں کروں گا، اگر جمال القرآن اور فوائدِ مکیہ ہی پڑھانا ہے تو مجھے اجازت دیجیے، میں جا رہا ہوں، آپ دوسرے مدرس کا انتظام فرما لیجیے، میں نے اگر اس فن کے حصول کے پیچھے اپنا سب کچھ لگایا ہے تو اب اس کی خدمت بھی کروں گا''۔

اللہ اکبر! اندازہ کیجیے کسی مدرسہ کا نو وارد جواں سال مدرس اگر اس طرح کی گفتگو گرم و نرم چشیدہ، سال خوردہ بزرگ کے سامنے کرنے لگے تو اس کا کیا حشر ہو؟ حلمِ نبوی کا نمونہ دیکھیے اور اس پر نثار ہو جاییے، پیشانی پر سلوٹ تک نہ آئی، مسکرائے اور یوں پھول جھڑے: ''آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں، آپ کو جو پڑھانا ہے اور جس وقت پڑھانا ہے شوق سے پڑھایئے، کوئی آپ کو کچھ نہ کہے گا''۔ مرحوم مہتمم صاحب کی وسعتِ ظرفی دیکھیے، یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں ''معاصر'' کہا کرتے تھے کہ: یہ آدمی مدرسین اپنی جیب میں لیے پھرتا ہے، کسی غیر نافع کو مدرسہ سے خارج کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حضرت قاری صاحب خود فرماتے ہیں کہ: ''مہتمم صاحبؒ مردم شناس آدمی تھے، ذرا احساس ہوتا کہ یہ شخص مدرسہ کے مفاد کا نہیں تو اس کے لیے ننگی تلوار بن جاتے اور اگر دیکھتے کہ یہ آدمی مدرسہ کے مفاد کا ہے تو پھر اس کے سارے نخرے اور چونچلے برداشت کرتے''۔

قدردانی کا جذبۂ بے مثال

اگر مہتمم صاحبؒ کی دوراندیشی وہوشیاری نہ ہوتی تو آج جامعہ کے شعبۂ تجوید وقراءت کے ماتھے کا جھومر دارالعلوم دیوبند میں مسندِ درس بچھائے ہوئے ملتا، اگر دور بینی کا دامن ذرا بھی چھوٹا ہوتا تو جامعہ کی تاریخ کا روشن باب ادھورا رہ جاتا۔ جب حضرت دارالعلوم تشریف لے گئے تو مہتمم صاحبؒ آپ کو چھوڑنے پر بالکل آمادہ نہ تھے، ہر طرح کی کوشش کرتے رہے، آپ کے دارالعلوم چلے جانے کا مہتمم صاحب کو کس قدر صدمہ تھا اس کا اندازہ خط کے اس جملہ سے لگایئے: ''بسترِ علالت پر آپ کی علاحدگی کی خبر نے مزید علیل و بیمار کردیا ہے''۔ غرض مسلسل جاں فشانی کے بعد مہتمم صاحبؒ آپ کو دوبارہ جامعہ لے آنے میں کامیاب ہوگئے۔ شاہی مرادآباد سے حضرت کو بلاوا آیا، مہتمم صاحب نے ہزار معذوری کے باوجود مرادآباد کا ہنگامی سفر فرمایا، وہاں کے اربابِ حل وعقد سے ملے اور افہام وتفہیم کے ذریعے ان کو اس سے باز رکھا۔

تحریکِ لجنۃ القراء کا علَم بردار

آج جامعہ کے شعبۂ تجوید وقراءت کا ہر خوشہ چیں فاضل اس کا اعتراف کرے گا کہ اس کی شخصیت سازی میں ''لجنۃ القراء'' کا ممتاز کردار رہا ہے؛ لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کا سہرا بھی سابق مہتمم صاحبؒ کے سر جاتا ہے، ہاں! بھیگے پروں سے پرواز کا حوصلہ دینے والی یہ انجمن اُسی عظیم شخص کی تحریک پر قائم ہوئی۔

سنہ ۱۴۰۱ھ میں کسی موقعے پر مہتمم صاحبؒ نے آپ کو کہا کہ: میں نے شعبۂ تقریر وتحریر کے لیے کچھ رقم شوری سے پاس کروائی ہے، اگر آپ چاہیں تو طلبا کے لیے ایک انجمن بنا لیجیے، اخراجات کا بیڑا مدرسہ اٹھائے گا تب پھر اس انجمن کا قیام ہوا جس کی رونق دیکھ کر تاریخ یہ رقم کرنے پر مجبور ہوگئی: ''تجوید وقراءت کی اس پُر بہار رونق پر شعبۂ تجوید کے صدر جناب قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری قابلِ مبارک باد ہیں''۔ (تاریخِ جامعہ، ص: ۲۰۲)

دورِ سعیدی میں تجوید کی بابت اکابرین کے تأثرات

آپ کے استاذِ محترم قاری محمد کامل صاحبؒ ''لجنہ'' کے مسابقے اور ''ختمِ سبعہ'' کے موقع پر تشریف لائے تھے، اُس وقت جو وقیع معاینہ تحریر فرمایا تھا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: ''اِس دور میں جب کہ فنِ قراءت اور تجوید عام طور پر لوگوں کی عدمِ توجہ کا شکار ہے، جامعہ ڈابھیل کا اس شعبے کے ساتھ یہ اہتمام دوسرے مدارسِ عربیہ کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو مزید ترقیات سے نوازے اور ذمہ دارانِ مدرسہ، اساتذہ اور طلبہ سب کو حسنِ توفیق بخشے''۔ (تاریخِ جامعہ، ص: ۲۰۲)

حضرت مولانا ابراہیم صاحب آچھودی دامت برکاتہم نے اپنے ایک مضمون میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ''یہ شعبہ (تجوید وقراءت) بالکل ختم ہو چکا تھا، اس میں قاری رمضان صاحب

کے بعد قاری حفیظ الرحمن صاحب نے اور ان کے بعد قاری عباس صاحب دھرمپوری نے خدمات انجام دیں، اور اب قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری بڑی لگن سے اس شعبے میں کام کررہے ہیں اور جہاں درجۂ حفص بھی (مکمل) نہ تھا، اب سبعہ عشرہ کے قاری آپ کے ہاتھوں پیدا ہورہے ہیں''۔ (نقوشِ بزرگاں: ۲/ ۹۲)

اخیر میں خود حضرت قاری صاحب کے بیان کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جو آپ نے حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد تعزیتی جلسہ میں کیا تھا، آپ فرماتے ہیں: ''میرا تعلق تعلیمی شعبوں میں قراءت وتجوید کے شعبہ سے ہے؛ اس لیے اس سلسلہ میں اپنا کچھ تأثر ضرور آپ کے سامنے پیش کروں گا: حضرت مہتمم صاحب کے دور میں اِس شعبہ نے غیر معمولی ترقی کی، جامعہ میں پہلے بھی تجوید کا شعبہ قائم ضرور تھا، لیکن حضرت مہتمم صاحب نے اس کی ترقی کے لیے اور علمِ قراءت کی مکمل تعلیم جاری کرنے کے لیے ہم کو یاد فرمایا، وقتاً فوقتاً اس شعبہ کی ترقی کے لیے مجھ سے مشورہ کیا کرتے تھے، میں شعبہ کی ترقی کے لیے مختلف تجاویز پیش کرتا رہتا تھا اور الحمدللہ ہر وقت مہتمم صاحب کا تعاون رہا اور آج یہ شعبہ جس مقام پر پہنچ چکا ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے، فنِ تجوید کے متعلق بے شمار بیش بہا کتابوں کا ذخیرہ طلبہ کے لیے مہیا کیا۔ دارالعلوم دیوبند اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے، میں بڑی صفائی سے کہہ سکتا ہوں کہ جب میرا دارالعلوم جانا ہوا تو میں وہاں کا کتب خانہ دیکھنے گیا، اس میں شعبۂ قراءت کی کتابوں کا جائزہ لیا تو معلوم

ہوا کہ فن کی جو بڑی اہم کتابیں ہیں، جن کا ہونا کم از کم دارالعلوم جیسے ادارے کے لیے ضروری ہے ان سے دارالعلوم کے کتب خانہ کو خالی پایا، جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس شعبے میں دارالعلوم میں دارالعلوم کے شایانِ شان کام نہیں ہوا۔ ہمارے جامعہ کا کتب خانہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کا ذوق ہر شعبے میں بڑا عمدہ تھا‘‘۔(نقوشِ بزرگاں: ۱۸۹/۲)

صاحبِ ’’حسن المحاضرات‘‘ نے بھی جامعہ کے کتب خانہ کی تعریف کی ہے اور آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے انہوں نے جامعہ میں تجوید وقراءت سے متعلق ایک سو پچاس کتابوں کا تذکرہ کیا تھا جو آج بڑھتے ہوئے نو سو سے زائد ہو چکی ہے۔ اللہ تعالی مہتمم صاحب کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

جامعہ کے موجودہ مہتمم صاحب والد گرامی کے نقشِ قدم پر

اس باب میں جامعہ کے موجودہ مہتمم صاحب حضرت اقدس مولانا احمد صاحب بزرگ دامت برکاتہم (خلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں، لجنہ کے ہر جلسہ میں حضرت قاری صاحب کو ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پایا ہے، نجی مجلسوں میں بھی آپ ان کی تعریف کرتے ہیں کہ اہتمام پر فائز ہونے کے باوجود کبھی کسی کام میں رکاوٹ نہیں ڈالی؛ بلکہ مؤرخِ جامعہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب مدّظلہ العالی کے سامنے تو یہاں تک کہہ گئے: ’’اب کہیں جانے کی کیا ضرورت! کسی مدرسہ میں مجھ کو وہ

سہولتیں نہیں ملیں گی جو یہاں دستیاب ہیں، میرے آرام کرنے کی جگہ الگ ہے، سبق پڑھانے کی جگہ الگ ہے، نماز پڑھنے کے لیے مسجد متصل ہے اور دار المطالعہ مستقل ہے، سب کچھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب کے سایۂ عاطفت کو تادیر قائم رکھیں اور آپ کی قیادت میں جامعہ ہمیشہ ترقی کی طرف گامزن رہے کہ یہی ان کے والدِ گرامی کا مشن تھا اور یہی آرزو:

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

سیدی ومرشدی

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری متعنا اللہ بفیوضہم

(شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

دوسری شخصیت جس سے آپ کو ازحد تعاون ملا، وہ فقیہِ گجرات حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہیں۔ آپ نے اس گئے گذرے دور میں قدردانی اور تعاون وتناصر کی مثال قائم کردی، جس وقت حضرت قاری صاحب کی جامعہ میں آمد ہوئی ''ناظمِ تعلیمات'' حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم تھے، ناظم ہونے کی حیثیت سے مرحوم مہتمم صاحب آپ سے مشورہ لیتے رہتے تھے، حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کو جب کبھی کوئی نئ

چیز شروع کرنا ہوتی یا کوئی رکاوٹ پیش آتی تو حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے پاس تشریف لاتے، پھر دونوں حضرات مل کر مرحوم مہتمم صاحب کے پاس جاتے اور اپنا عندیہ منوالیتے۔

حضرتِ والا نہ صرف آپ کا تعاون فرماتے ہیں؛ بلکہ اگر اس فن کے تعلق سے کوئی مفید چیز ذہن میں آتی تو اس کا مشورہ دیتے اور اس کے اجراء کی کوشش فرماتے۔ ''نقوشِ بزرگاں'' میں ہے: ۲۷/ جمادی الاخری ۱۴۲۱ھ، ۲۵/ستمبر ۲۰۰۰ء کی شب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں لجنۃ القراء کا اختتامی اجلاس حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوا، حضرت نے اہمیتِ تجوید اور تصحیحِ قرآن کی ضرورت اور عدمِ توجہی کے مفاسد پر ایسی مدلل ومحقق باتیں بیان فرمائیں کہ حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم بھی مجسم خراجِ تحسین پیش کرتے نظر آرہے تھے۔ اس موقع پر حضرت مفتی صاحب نے طلبہ سے فرمایا: آپ لوگ دیکھتے رہتے ہیں کہ جو طلبہ اوپر کے درجات مشکوۃ دورہ وغیرہ میں داخلہ کے لیے آتے ہیں، ان کا دیگر کتابوں کے ساتھ ناظرہ کا بھی امتحان لیا جاتا ہے، اس امتحان کی تجویز میں نے خود حضرت مہتمم صاحب (مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ) کے سامنے پیش کی، مہتمم صاحب نے اس کو پسند فرمایا اور اصول میں داخل فرمایا کہ: ہر آنے والے طالبِ علم کا جو غیر حافظ ہو ناظرہ کا امتحان لیا جائے گا؛ اس لیے کہ بعض اوپر کے طلبا کو ناظرہ تک پڑھنے نہیں آتا۔ (نقوشِ بزرگاں: ۱/ ۳۷۴)

ہر اختتامی جلسہ میں آپ کے متعلق عظیم کلمات کہتے ہیں اور طلبہ کو آپ کی طرف متوجہ فرماتے ہیں، ایک جلسہ میں حضرتِ والا نے آپ کو نبیٔ کریم ﷺ سے ماثور دعائے مبارکہ ’’أن ترزقني القرآن العظيم وتخلطه بلحمي ودمي وسمعي وبصري وتستعمل به جسدي بحولك وقوتك‘‘ (ترجمہ: کہ تو مجھے قرآن عظیم کی دولت سے نواز، اور اسے میرے گوشت، میرے خون اور میرے کانوں اور میری آنکھوں میں رچا بسا دے، اور اپنی حفاظت اور قدرت سے اس پر میرے جسم کو عمل پیرا بنادے) کا مصداق قرار دیا۔

آپ کی عظیم خدمات پر حضرتِ والا کی طرف سے اعزازی قبا پوشی بھی اسی حوصلہ افزائی وقدردانی کا ایک حصہ ہے، جس کے متعلق جامعہ ہذا کے ادیب حضرت مفتی عرفان احمد صاحب مالیگانوی زید مجدہٗ نے بالکل سچ تحریر فرمایا ہے:

’’صوبۂ گجرات کے چشمِ فلک نے ایک امامِ فن کو دوسرے امامِ فن کا اتنا پُرشوق اعزاز واکرام کرتے ہوئے شاید پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا‘‘۔

دو عظیم ہستیوں کے درمیان خوشگوار قابلِ رشک فضا

عام طور پر مدارس میں دو عظیم شخصیات جب جمع ہو جاتی ہیں تو کسی نہ کسی بات پر وقتی تناؤ کی سی فضا ہو جاتی ہے اور جہاں ایک دوسرے کو مان کر چلنے کا جذبہ نہ ہو اور دوسرے کے کام میں ٹانگ اڑانے کا مزاج بن جائے، وہاں دامن کا ان خارزاروں سے الجھنا لازمی ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے یہاں

اس کا بھی بڑا اہتمام رہا ہے، ذیل میں اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

جامعہ میں اذانِ مغرب کی بابت ایک طالبِ علم کو خلجان تھا، اس نے دارالافتاء میں سوالنامہ بھیجا، تمرینی جواب لکھنے والے دارالافتا کے طالبِ علم نے کتبِ فن کے حوالے سے فتوی سنانا شروع کیا، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے روک دیا اور درجِ ذیل جواب لکھنے کا امر فرمایا: ''کلماتِ اذان میں غنہ اور مد کی تطویل کا یہ مسئلہ فنِ تجوید سے متعلق ہے، جامعہ ہذا میں بحمد اللہ اس فن سے متعلق ایک شعبہ قائم ہے، جس کے نگرانِ اعلیٰ حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم ہیں، مناسب ہوگا کہ حضرت قاری صاحب کے سامنے اذان سنا کر تصحیح کرا لی جائے اور ان کی ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر فرمانے لگے کہ: ''اگر سائل کو واقعتاً اصلاح کرانا مقصود ہوگا تو قاری صاحب سے جا کر کروا لے گا، یہ ان کا فن ہے''۔ واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر بڑی شخصیات کے درمیان باہمی اعتماد کے فقدان سے تناؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی وقت حضرتِ والا نے ایک اور واقعہ سنایا جو باہمی اعتماد کا منہ بولتا ثبوت ہے، فرمایا کہ: ایک صاحب مجھ سے آ کر کہنے لگے کہ: فلاں صاحب میری اذان کو غلط کہتے ہیں، آپ سن کر اصلاح فرمالیں، میں نے کہا کہ: جامعہ میں حضرت قاری احمد اللہ صاحب کو سنا دو، وہ جو کہیں گے وہی میری طرف سے سمجھ لینا۔ اللہ اکبر! جہاں ایک دوسرے پر اعتماد کی ایسی قابلِ رشک فضا ہو وہاں تنازعات اور غلط فہمیوں کا کیا ذکر!۔

شانہ بہ شانہ چلنے والی یہ دونوں ہستیاں جامعہ کے پُر رونق چہرے کی دو آنکھیں ہیں، جن کی بصارت وبصیرت سے جامعہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسوم والفاظ کے جامہ سے باہر نکل کر حقیقت اور عمل کی دنیا میں ان کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

رشحاتِ قلم

آپ زبان کی جادو بیانی کے ساتھ خامۂ گہربار کی سحر انگیزی کے بھی مالک ہیں۔ تصنیف وتالیف کی بابت آپ کا نظریہ یہ ہے کہ جب تک آدمی اپنے فن میں پختہ نہ ہو تب تک اس کو قلم اٹھانے سے گریز کرنا چاہیے، یہ کیا بات ہوئی کہ ہر نوجوان فاضل ادھر ادھر سے جمع کر کے مبتدیوں کے لیے ایک رسالہ ترتیب دے دیتا ہے؛ حالاں کہ ''رسالہ برائے مبتدی'' کے لیے پورے فن پر نظر ہونی چاہیے۔ اسی لیے آپ اپنے قریبی تلامذہ کو تصنیف وتالیف کے بجائے تدریس کا امر فرماتے ہیں کہ تدریس سے فکر ونظر میں عمق اور فن میں پختگی پیدا ہوتی ہے، آدمی طویل عرصہ کے تجربۂ تدریس کے بعد اگر کچھ لکھے گا تو اپنے قارئین کو کچھ نیا دے سکے گا۔

آپ کے یہاں کتاب کا مسودہ تیار ہو جانے کے بعد نظرِ ثانی کا مرحلہ کتنا صبر آزما اور طویل ہوتا ہے اس کو حضرت کے تلامذہ جانتے ہیں، خدام آپس میں از

راہِ تفریحِ طبع کہا کرتے ہیں کہ: ''حضرت کے یہاں ''نظرِ ثانی'' کا مطلب ایک نئی کتاب سپردِ قرطاس کرنا ہے'' اس طویل نظرِ ثانی سے اکتا کر بعض عقیدت مند شاگرد ہچکچاتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ: حضرت! اب تو جواں سال فضلا کی اتنی اتنی کتابیں منظرِ عام پر آ گئیں، آپ بھی اپنے مسودات کو شائع فرما دیجیے، نظرِ ثانی کا یہ مرحلہ کب تک درازئ عمر کا مظاہرہ کرے گا۔ تب آپ ہنستے ہوئے ارشاد فرماتے کہ: ''بھائی! اگر ایسا ہے تو ہر روز ایک کتاب پریس کے حوالہ کر دوں؛ مگر کتاب لکھنا ایک عظیم ذمہ داری ہے، آپ کا دل آپ کے لکھے ہوئے پر مطمئن نہ ہوگا تو دوسرا کیسے مطمئن ہو سکے گا''۔

اسی طرح تقریظ کے سلسلہ میں بھی بہت احتیاط برتتے ہیں، اس بابت آپ کا معمول حضرت تھانویؒ جیسا ہے، آپ تقریظ کو ایک شہادت گردانتے ہیں اور بدونِ علم وواقفیت شہادت دینا ناجائز ہے؛ اسی لیے آپ سے تقریظ لکھوانا ''جوئے شیر'' لانے کے مترادف ہے، جب تک کتاب کو از اول تا آخر پڑھ نہیں لیتے، آپ کا قلم جنبش میں نہیں آتا۔

اسی احتیاط کی بنا پر آپ کی ذات سے جس قدر کتابیں منصۂ شہود پر آنی چاہیے نہ آ سکیں، مگر جتنی کتابیں چھپ کر منظرِ عام پر آئیں، وہ سب اپنی مثال آپ ہیں، ذیل میں آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف وتالیفات کا نام درج کیا جاتا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ حضرت کے تلامذہ وخدامِ خاص میں سے کسی ایک کی جانب

سے ان کا مختصر تعارف بھی قارئین کے سامنے آجاتا!!!

تالیفاتِ تجوید وقراءات

(۱) مرقاۃ التجوید (مطبوعہ)

(۲) کتاب التلخیص فی قواعد التجوید (مطبوعہ)

(۳) معلم الصبیان مع قواعد الصبیان، الجزء الاول (مطبوعہ)

(۴) معلم الصبیان مع قواعد الصبیان، الجزء الثانی (مطبوعہ)

(۵) الفوائد الکاملیہ (زیر تکمیل)

(۶) جامع المعانی الموسوم بتلخیص المعانی من طریق التیسیر وحرز الامانی الجزء الاول (زیر طبع)

(۷) جامع المعانی الموسوم بتسہیل المعانی من طریق التیسیر وحرز الامانی الجزء الثانی (زیر طبع)

(۸) توضیح المعانی فی القراءات السبع من طریق حرز الامانی (زیر تکمیل)

(۹) التحفۃ المکیۃ فی القراءات الثلاث من طریق الدرۃ المضیۃ (زیر طبع)

(۱۰) تمرین التجوید والقراءات (زیر طبع)

(۱۱) مبادیاتِ قراءات (زیر طبع)

(۱۲) تحفۃ الصبیان فی قواعد تجوید القرآن (زیر طبع)

(۱۳) اسلام میں قرآن مجید کا مقام (زیر طبع)

(۱۴) کتاب الرجال و الاسانید لعشر القراءات بالروایات المتواترات (زیر تکمیل)

(۱۵) کتاب المستفید فی تعلیم تجوید القرآن المجید (زیر تکمیل)

(۱۶) کتاب قراءات السبع والثلاث المتممة لعشر القراءات من طریق الشاطبیة والدرة المضیّة (زیر تکمیل)

(۱۷) قراءۃِ امام نافع (زیر تکمیل)

(۱۸) قراءۃِ امام عبداللہ ابن کثیر (زیر تکمیل)

(۱۹) کتاب التکبیر (زیر تکمیل)

(۲۰) تلخیص الفوائد فی رسم المصاحف (زیر تکمیل)

تالیفاتِ نحو وصرف

(۱) تلخیص النحو (زیر تکمیل)

(۲) القواعد النحویہ، الجزء الاول (زیر تکمیل)

(۳) القواعد النحویہ، الجزء الثانی (زیر تکمیل)

(۴) القواعد النحویہ، الجزء الثالث (زیر تکمیل)

(۵) قواعد النحو، عربی بہ ترتیب نحو میر (زیر تکمیل)

(۶) قواعد الصرف، الجزء الاول (زیر تکمیل)

(۷) قواعد الصرف، الجزء الثانی (زیر تکمیل)

(۸) کتاب المفصل فی قواعد الصرف (زیر تکمیل)

(۹) تعلیم اللغۃ العربیۃ (زیر تکمیل)

یہ تو آپ کے قلمِ حقیقت رقم کے ''نقوش'' تھے؛ ورنہ آپ کا اصل کارنامہ وہ زندہ ''نفوس'' ہیں، جنھوں نے آپ کے گرم گرم نفَس سے اپنے دلوں کی سرد انگیٹھی میں حرارت پیدا کی، آدم گری و مردم سازی کے اس کارخانہ سے جو شخصیات ڈھل کر تیار ہوئیں، وہ آپ کے زندہ متحرک وفعال کتب خانے ہیں، جو انشاء اللہ صدیوں آپ کا نام زندہ وتابندہ رکھیں گے:

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو	گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

تلامذہ وشاگردان

بعض دفعہ آدمی اپنی جگہ جلیل القدر عالم یا زبردست ادیب، فطری شاعر، زوردار مقرر، باکمال انشاپرداز، عظیم ترین مدبر ومنتظم اور ہوشیار سیاست داں ہوتا ہے؛ لیکن وہ ہرگز یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ دوسروں تک اپنی صلاحیت کو کسی درجہ میں منتقل کردے اور اپنے چراغ سے دوسرے کا چراغ روشن کردے، ایسا آدمی چاہے کتنا بڑا ہو اور کتنا قابلِ تعریف ہو؛ مگر اس کا نفع محدود ہوتا ہے، ایک بڑا آدمی اگر رجال سازی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی بڑا بنا سکتا ہے تو وہ واقعی بہت بڑا ہے۔ (وہ کوہ کن کی بات، ص:۸۷)

حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کا ممتاز وصف افراد سازی ہے، آپ

اپنا علم اپنی فکر وسوچ دوسروں میں منتقل کرنے کا ہنر جانتے ہیں، جب بھی آپ کا کوئی شاگرد آپ سے ملنے آتا ہے تو یہ سوال ضرور ہوتا ہے کہ تجوید وقراءت کی کیا خدمات انجام دے رہے ہوں؟ اپنے خصوصی شاگردوں کو خود تیار کر کے دوسرے اداروں میں بھیجتے ہیں، مشاہرہ سے لے کر پڑھانے تک کے تمام امور خود طے کر کے ان کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

آپ کے اس خصوصی وصف کا اعتراف ''صاحبِ حسن المحاضرات'' نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''اس ۲۴ / سالہ مدت میں آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد تیار ہوئی اور ملک وبیرونِ ملک قرآنِ کریم کی خدمت میں مصروف ہیں''۔

(حسن المحاضرات: ۲ / ۴۷۳)

خود جامعۃ القراءات کفلیتہ آپ کی افراد سازی کی منہ بولتی تصویر ہے، یہاں کے مہتمم وبانی ہو یا صدر القراء اور شیخ الحدیث؛ سب آپ کے تربیت یافتہ ہیں، نیز گجرات وبیرون گجرات کے کتنے ادارے ہیں، جہاں شعبۂ قراءت حضرت ہی کے خوشہ چینوں اور تلامذہ سے آباد ہیں۔ افراد سازی کی اس مہارت کی بنا پر گنتی کے چند سالوں میں حضرت کا فیض چہار دانگِ عالم میں پھیل گیا، کیا عرب کیا عجم، کیا امریکہ کیا افریقہ، ہر جگہ آپ کے شاگردان روشنی کے مینار بنے ہوئے ہیں، جنہیں دیکھ کر گم کردۂ راہ نشانِ منزل پا لیتے ہیں۔

آپ کے مشہور وممتاز تلامذہ کا نام لینا بھی طول کا باعث ہے، تقریباً

ہندوستان کی تمام ریاستوں میں، مدینۃ المنورہ، بحرین، قطر، دبئ، ساؤتھ افریقہ کے تمام شہروں میں، زامبیا، ملاوی، امریکہ، کینیڈا، نیوزی لینڈ، فرانس، ری یونین، موریشش اور تقریباً تمام بلادِ برطانیہ میں آپ کے تلامذہ مکاتبِ قرآنیہ، حفظِ کلامِ پاک، امامت وخطابت، اور تجوید وقراءت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے بعض شاگردوں نے تو تنِ تنہا اتنی عظیم خدمات انجام دیں کہ ''فردِ واحد انجمن'' کے مصداق بن گئے، ایک ایک فرد وہ کارہائے نمایاں انجام دیتا رہا جو انجمنیں، ادارے، اکیڈمیاں بھی عرصۂ دراز کے بعد کر پاتی ہیں، دنیا کے جس گوشے میں گئے تجوید وقراءت کی شمع روشن کی، جہاں گئے جس حالت میں رہے تجوید کے خادم بن گئے، تکالیف وحالات کا سامنا کیا، مصیبتیں جھیلیں، غم والم کے تلخ جام پیے، مگر اپنے خونِ جگر سے اس فن کی اس قدر آبیاری کی کہ جن علاقوں میں لوگ قرآن کے نام سے نا آشنا تھے وہاں وہاں بڑے بڑے ماہر قراء پیدا ہونے لگے، خلوت جلوت سے بدل گئی، ویرانے آباد ہو گئے، نور بڑھا اور ظلمت کافور ہوئی، استاذِ محترم کے حکم سے جہاں بیٹھے تشنگانِ علوم کے لیے چشمۂ صافی بن گئے:

رند جو ظرف اٹھائے وہی ساغر بن جائے
عاشق جہاں بیٹھ کر پیے وہی میخانہ بن جائے

آج جب کہ خداوندِ قدوس کے بے پایاں کرم واحسان کی بدولت دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلے ہوئے آپ کے بے شمار شاگرد پروانوں کی طرح شمع پر ہجوم

کیے ہوئے ہیں، ایک گلِ خوش رنگ و بو پر ہزار بلبلیں فدا ہیں، روشن ستارے ماہتاب کے ارد گرد ہالہ بنائے ہوئے ہیں اور ایک ہی آواز آرہی ہے:

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالَم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

اللہ اکبر! آج کی اس مبارک محفل میں شمع پر نثاران پروانوں کو دیکھ کر کون آپ کی خوشی کا اندازہ لگا سکتا ہے، کسان لہلہاتی ہوئی فصل کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے کس قدر جھومتا ہے، ان چہکتی ہوئی بلبلوں اور قمریوں کو دیکھ کر باغباں وجد میں نہ آجائے تو کیا ہو! نہ معلوم ان چہیتے شاگردوں کو دیکھ کر کتنی مرتبہ آپ کی آنکھیں بھر آئی ہوں گی، نہاں خانۂ دل میں محبت کی شمع فروزاں ہوگی، کتابِ زندگی کے سارے اوراق کھل گئے ہوں گے، ماضی کے دھندلے نقوش پھر تازہ ہو گئے ہوں گے، قربانیوں کے زخمِ کہن بار بار یاد آئے ہوں گے، جذبات کی دنیا میں ایک ہل چل مچی ہوگی، آپ کا آئینہ کی طرح چمکتا ہوا صاف وشفاف دل بار بار رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہوا ہوگا اور جلوت میں بھی چپکے چپکے آنسو بہاتے ہوئے راز و نیاز میں یوں مصروف ہوگا کہ: الٰہی! یہ سب تیرے الطاف وکرمِ بے پایاں کا ثمرہ ہیں، بارِ الٰہا! ان ساری رونقوں کو دیکھ کر تجھ سے ایک ہی عاجزانہ التجا ہے کہ اپنے کلامِ پاک کی خدمت کا پورا پورا صلہ اس فانی دنیا میں مت دے دینا، یہ قربانیاں صرف تیرے لیے اور تیری رضا جوئی کے لیے تھیں، رحیم وکریم ربا! بس تو ان کو شرفِ

قبولیت سے نوازدے۔آمین

موتی سمجھ کر شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

آج حضرت تو نہیں کہیں گے؛مگر ہم سب کفش بردار، نیاز کیش،عقیدت مند،عاشقِ صادق خدام وتلامذہ ضرور آپ کی جانب سے یہ کہیں گے:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر	۞	راہرو آتے گئے کارواں بنتا گیا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت الاستاذ قاری ومقری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کے فیوض وبرکات کو تادمِ آخر جاری وساری رکھے،اور ہمیں ان کی کماحقہٗ قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے اور مادرِعلمی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک کے تعلیمی،تربیتی اوراصلاحی معیار کو بلند سے بلندتر فرمائے،اور ہرنوع کے شروروفتن سے اس کی حفاظت فرمائے۔اٰمین بجاہ النبي الکریم، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد واٰله وصحبه أجمعین برحمتک یاأرحم الراحمین.

حررہ العبد: معاذ ابن عبدالرزاق چارولیہ
خادمِ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک

۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ،۳۱/مارچ ۲۰۱۲ء بروز: شنبہ

فن تجوید وقراءت میں بانئ جامعہ کی خدمات

مندرجۂ ذیل تحریر میں بانئ جامعہ حضرت اقدس مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ کی تجوید وقراءت سے متعلق خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے، یہاں اِس تحریر کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ: بانئ جامعہ کا جو خواب تھا وہ حضرت قاری صاحب مدت فیوضہم کی ذاتِ بابرکت سے شرمندۂ تعبیر ہوا۔ خدا کی قدرت دیکھیے! تخم ریزی کب ہوئی اور بارآوری کب ہو رہی ہے!!! سچ ہے: خلوص واخلاص سے کیا ہوا کام کبھی ضائع نہیں جاتا۔ مندرجۂ ذیل تحریر حضرت الاستاذ مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ کی کتاب ''جامعہ ڈابھیل اور فن تجوید'' سے ماخوذ ہے، جو اُن ہی کے شکریہ کے ساتھ نذرِ قارئین کی جارہی ہے۔ (معاذ)

مولانا بھامؒ مدرسہ کی ترقی اور اُس کی افادیت کو عام کرنے کے لیے برابر فکرمند رہے، دیگر علوم وفنون کی ترقی کے ساتھ قرآن شریف کو تجوید کے ساتھ پڑھانا مدرسے کے بنیادی مقاصد میں شامل رہا۔ کسی بھی ادارے کی تعمیر وترقی میں دستور العمل سب سے مؤثر کردار ادا کرتا ہے، قیامِ مدرسہ کے وقت جو دستور العمل مقرّر کیا گیا، اُس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ، جامعہ میں قرآن شریف کی صحت کی طرف غیر معمولی توجہ رہی، اُس کو صحت وتجوید کے ساتھ پڑھنے، پڑھانے کو بنیادی مقاصد میں شامل کیا گیا۔

چناں چہ دستور العمل برائے پارلیمنٹ مدرسہ تعلیم الدین سملک کے ذیل میں ''قوانینِ متعلقہ مدرسہ تعلیم الدین'' کے عنوان سے سینتیس (۳۷) قرار دادیں طے کی گئی ہیں، اُس میں بتلایا گیا ہے کہ: مدرسہ کے مدرِّسین وخُدّام کیسے ہوں؟ مثلاً نمبر اول میں لکھا ہے:

مدرسہ ہذا میں مہتمم وہ ہوسکتا ہے جو فارسی، عربی سے واقف ہو۔ الخ

نمبر پانچ میں لکھا ہے:

مدرسہ ہذا میں چپراسی وہ شخص ہوسکتا ہے جو خوب قوی اور چُست ہو۔ الخ

نمبر سات میں ہے: مدرسہ ہٰذا میں مدرِّسِ قرآن مجید وہ شخص ہوسکتا ہے جو حافظ ہو۔ الخ

نمبر بارہ میں لکھا ہے:

مدرسہ ہذا میں مدرِّسِ قراءت وہ شخص ہوسکتا ہے جو حافظ ہو اور فنِ تجوید سے پورا واقف ہو۔ الخ

دستور العمل کے مذکورہ بالا اقتباسات نقل کر کے یہ بتلانا مقصود ہے کہ، فنِ قراءت وتجوید کی اہمیت شروع ہی سے اربابِ مدرسہ کے پیشِ نظر رہی ہے، باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ تجوید وقراءت کا شعبہ قائم کیا گیا، اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن شریف کی مشق کرائی جاتی رہی۔

مولانا احمد بزرگ سملکیؒ (مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنی، سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، متوفی ۱۳۷۱ھ)- جو مولانا احمد حسن بھامؒ کے رفیق درس ہونے کے ساتھ مدرسہ تعلیم الدین کے ابتدائی مدرس بھی رہے- مولانا بھامؒ کی توجہِ تعلیم کو بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’قرآن شریف کی تعلیم کے لیے غالباً دو تین مدرِّس تھے؛ مگر آپ (مراد مولانا بھامؒ) چاہتے تھے کہ، قرآن مجید کی تعلیم باقاعدہ تجوید کے ساتھ ہونی چاہیے؛ کیوں کہ یہ کلامِ بلاغت نظام جس درجہ رفیع المرتبت ہے، اُسی قدر اُس کو صحیح حاصل کرنے کی بھی ضرورت ہے، آپ نے اِس کی طرف فوری توجہ فرمائی اور ایک ماہرِ فنِّ قراءت وتجوید قاری کا تقرُّر کر کے درجۂ قراءت وتجوید قائم کیا۔ (روئداد جامعہ اردو، ۱۳۴۷ھ)

مولانا بھامؒ کی نگاہ بہت بلند تھی، وہ رجال شناس تھے، مدرسے کے لیے اچھے اور ماہرِ فن اساتذہ چننے میں وہ تجربہ کار تھے، اُن کے دَورِ اہتمام کی گجراتی روئداد کا مطالعہ کرنے

سے اندازہ ہوتا ہے کہ: اُنھوں نے مدرسہ تعلیم الدین کو بامِ عروج تک لے جانے کے لیے علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کا ایک گلدستہ تیار کر رکھا تھا۔ مثلاً:

طلبہ کی املاء نویسی اور خوش نویسی کی مشق کے لیے فنِ کتابت کے یکتا کاتب صاحب کو شہر کانپور (یوپی) سے بلایا، اور فنِ کتابت کی باقاعدہ تعلیم شروع کروائی۔

قُرب وجَوار میں وعظ ونصیحت اور پیش آمدہ مسائل میں فتویٰ نویسی کے لیے دہلی سے مولانا کاظم علی صاحب دہلوی کا انتخاب فرما کر تقرُّر کیا۔

ریاستِ ٹونک سالہا سال تک تجوید وقراءت کا مرکز رہی ہے، اُس ریاست کے قراء ہندوستان بھر میں مشہور تھے، مولانا بھامؒ کی عِقابی نظر اُس ریاست پر ضرور پڑی ہوگی، مولانا نے علمِ تجوید کی اہمیت کے پیشِ نظر جن قاری صاحب کا تقرُّر کیا تھا اُن کے متعلق مولانا احمد بزرگؒ کی مذکورہ تحریر میں صرف یہ لکھا ہے کہ: ''ماہرِ فنِ قراءت وتجوید کا تقرُّر کیا'' قاری صاحب کا نام ونسبت نہیں لکھی؛ لیکن گجراتی روئداد– جو مولانا بھامؒ نے طبع کروائی تھی– میں سب سے اوّل جن قاری صاحب کا نام ملتا ہے وہ حافظ محمد شریف صاحب کا نام نامی ہے، اور وہ ریاستِ ٹونک کے باشندہ تھے، چناں چہ مدرسین وکارکنان کی فہرست میں نمبر ۳ پر ہے:

(۳) ''حافظ محمد شریف خان ٹونک والے''۔ کام کی ذمہ داری کے کالم میں لکھا ہے: ''طلبہ کو مشق کرواتے ہیں''۔ (روئداد گجراتی ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۲ء)

طلبہ کو مشق کروانا بتلا رہا ہے کہ، حافظ ہونے کے ساتھ جناب محمد شریف صاحب قاری بھی تھے۔ اُس دَور میں سادگی ملحوظ تھی، سارے اَلقاب لکھنے کا معمول نہیں تھا، غالباً اِسی وجہ سے مولانا کاظم علی صاحب دہلوی کی ذمہ میں فتاویٰ نویسی کا کام تھا، پھر بھی اُن کے نام گرامی کے ساتھ ''مولوی'' لکھا ہے، ''مفتی'' نہیں لکھا۔

مولانا احمد حسن بھام کے دَورِ اہتمام کی مطبوعہ روئداد میں مدرسہ تعلیم الدین کے مدرسین میں قاری محمد یامین صاحب ٹونکی اور حافظ اسماعیل کفلیتوی دوم کے نام پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء کی روئداد میں مدرسین اور کارکنانِ مدرسہ کی فہرست میں نمبر چار کے کالم میں لکھا ہے:

مولوی قاری محمد یامین صاحب۔

عہدہ کے کالم میں ہے: مدرسِ قراءت نمبر ایک، ذمہ داری: علم قراءت کی خدمت انجام دیتے ہیں، تنخواہ ۳۰/ روپئے۔

نمبر پانچ میں لکھا ہے:

حافظ اسماعیل کفلیتہ: مدرسِ قراءت نمبر دو، تنخواہ: ۱۵/ روپئے، ذمہ داری: صدر، قرآن شریف کی تعلیم۔

مدرسہ تعلیم الدین کا علمی فیضان علمِ تجوید کی لائن سے خوب پھیلا، اِس علاقے میں کوئی صحیح قرآن پڑھنے والا نہیں ملتا تھا، مدرسے کی برکت سے سینکڑوں کی تعداد میں اعلیٰ قسم کا قرآن پڑھنے والے پیدا ہو گئے، یہ انقلاب صرف اور صرف آٹھ نو سال کے عرصے میں ہوا، اُس دَور میں ڈابھیل وسملک دونوں گاؤں کی لڑکیاں بھی زیرِ تعلیم تھیں، مدرسے کا فیض دونوں بستی کے ہر ہر گھر میں پہنچا، لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی ضروری تعلیم اور صحت کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے لگی تھیں۔ مولانا بھامؒ بہ طورِ تشکُّر مدرسے کی تعلیمی حالت کو سراہتے ہوئے رقمطراز ہیں:

خداوند عالَم کا لاکھ شکر ہے کہ، اُس ذات پاک نے اپنے حبیب سرور عالم ﷺ کے طفیل سے ایک ویران بستی میں مدرسے کی شکل میں ایک کارِ خیر کی ابتداء کروائی، جس کے

فیض سے اب ہر کوئی واقف ہے، اور اُس کا نور چہار دانگِ عالم میں مثلِ برق چمک رہا ہے۔
آج اُس مدرسہ کی ابتداء کو نو سال ہو رہے ہیں، ایک ایک مشتِ چاول اور جَو سے اِس کی ابتدا ہوئی تھی، اُس وقت یہاں عربی، فارسی، اردو اور گجراتی سے کوئی واقف تک نہ تھا؛ مگر الحمد للہ مدرسے نے ۸، ۹ سال کے قلیل عرصے میں جو ترقی کی ہے، اِس کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے ۸، ۹ سال قبل ضلع سورت کا مُشاہدہ کیا ہو، کہ اِس ضلع کی دینی اور دنیوی تعلیمی صورت حال اُس وقت کیسی تھی؟ اور اب کیسی ہے؟۔

اِس وقت لڑکے قرآن پاک تجوید کے قواعد کے مطابق پڑھتے ہیں، جب کہ اِس سے قبل خلافِ تجوید پڑھتے تھے، اِسی طرح عربی، فارسی فقط ''ہندوستان'' (مراد یوپی۔عبد) سے تعلیم پا کر آنے والے ہی جانتے تھے، آج بہت سے نوجوان اِسی مدرسے کی بہ دولت عربی فارسی سے واقف ہو رہے ہیں؛ اِس سے قبل لڑکیاں تعلیمِ قرآن اور دینی اُمور سے ناواقف رہ جاتی تھیں، اب کچھ لڑکیوں نے قرآن شریف مکمل کر لیا ہے۔ (روئداد گجراتی ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء)

مدرسہ تعلیم الدین کے قیام کا زمانہ بڑی بے سروسامانی کا تھا؛ مگر تہی دستی میں بھی عجیب دل جمعی تھی، مدرسہ نے قائم ہوتے ہی حیرت انگیز طور پر ترقی کی جانب قدم بڑھانے شروع کیے۔ اُسی دَور میں - جب کہ مدرسہ کی عمر صرف ۸، ۹ سال تھی - مولانا بھامؒ نے ایک پیشین گوئی فرمائی تھی، جو آج (جب کہ مدرسے کی عمر ۱۰۸ سال ہے) حرف بہ حرف صادق آ رہی ہے، مولانا بھامؒ کے اِلہامی الفاظ اُن ہی کی زبانی سنیے، تحریر فرماتے ہیں:

''آئندہ انشاء اللہ اِسی مدرسے سے اُمید و یقین ہے کہ قرآن کے بہترین قراء وحفاظ، بہترین اردو، گجراتی، عربی، فارسی جاننے والے مولویانِ کرام، قوم کے لیے بہترین ناصحین اور واعظین، مسائل اور نزاعات میں صحیح رہنمائی کرنے والے مفتیانِ کرام، اور اردو

عربی و گجراتی کے بہترین منشی اور ماسٹر حضرات نکلیں گے۔'' (ایضاً)

مذکورہ بالا تحریر کو غور سے پڑھیے! مولوی صاحبان و مفتیان کرام اور دیگر شعبہ جات کے رہنما کے بالمقابل قراء کو مقدم کیا، اہم مقصود کو پہلے ذکر کیا جاتا ہے، اِسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ، مولانا احمد بھامؒ کی نظر میں قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنے پڑھانے اور اِس فن کی نشر و اشاعت کی کتنی اہمیت ہوگی!۔

یہاں کے کئی قراء فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہمہ تن قرآن کریم کے ہوکر رہ گئے، اور اُن کا چشمۂ فیض پورے جوش کے ساتھ اُبلنے لگا، جس نے بڑھتے بڑھتے دریائے موج بداماں کی شکل اختیار کرلی، جس سے نہ صرف ہندوستان کے بنجر علاقے سیراب ہوکر لالہ زار بن گئے؛ بلکہ اُن قراء کا فیض کئی بیرونی ممالک میں پہنچا، جن علاقوں میں جستجو کے باوجود کوئی صحیح پڑھنے والا نہیں ملتا تھا، وہاں سینکڑوں کی تعداد میں قراءتِ حفص اور سبعہ عشرہ کے قراء، بہترین قِسم کے مجوِّدِ دین اور مدرسین پیدا ہو گئے، اور یہ سلسلہ بحمد اللہ روز افزوں ہے۔ یہ سب کچھ مولانا بھامؒ کی پیشین گوئی کے عین مطابق اور اُن کے اخلاص کا فیض ہے۔

قُراء کے حالات پڑھنے سے قرآن شریف کی عظمت دل پر کھلتی ہے، ہر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ اِس سے بڑی نعمت دنیا میں کوئی نہیں۔ اِسی ذوق نے بہت سوں کو حافظ بنا دیا، ایسے حافظ کہ دن رات اِسی دُھن میں مُستغرَق ہو گئے۔ یہ کھلی بات ہے کہ، اگر لذت نہ ملے تو دن میں دو ختم کیوں کر ہو سکیں!!۔ (تذکرہ قاریان ہند، ص: ۳۰ بہ حوالہ: جامعہ ڈابھیل اور فن تجوید)